شیعہ افکار و نظریات کو نقل و عقل اور الزامی دلائل و شواہد کے زور پر جڑ سے اکھیڑ
پھینکنے والی ایک چشم کشا، نکات آفریں اور اپنی نوعیت کی بالکل منفرد کتاب

دمِ چار یار (۱۹۰۶)

موسوم باسمِ جدید

شیعیت کا پوسٹ مارٹم

مؤلفہ ماہرِ منقول و معقول حاوی فروع و اصول علامہ شیخ علی حسین چریاکوٹی (۱۳۹۲ھ)

سلسلۂ رسائلِ علمائے چریاکوٹ ۱

معتقداتِ شیعہ کونقلی وعقلی اور اِلزامی دلائل وشواہد کے زور پر جڑ سے اُکھیڑ پھینکنے والی ایک چشم کشا، معرکۃ الآرا، نکات آفریں اور اپنی نوعیت کی بالکل منفرد کتاب

دمِ چار یار (۱۹۰۶ء)

موسوم باسم جدید

شیعیت کا پوسٹ مارٹم

مؤلفہ

ماہر منقول ومعقول، حاوی فروع واُصول علامہ شیخ علی حسین چریاکوٹی (م ۱۲۹۲ھ)

ترتیب وتقدیم

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

بأبِي أنتَ وأمِّي صَلَّى اللّٰهُ عَلَيکَ أيُّهَا النَّبِيُّ الأمِّيُّ

تفصیلات

کتاب : دم چار یار اِسم جدید [شیعیت کا پوسٹ مارٹم]

تالیف : حضرت مولانا شیخ علی حسین عباسی چریاکوٹی

ترتیب : ابو رِفقہ محمد افروز قادری چریاکوٹی............

دلاص یونیورسٹی، کیپ ٹاؤن، ساؤتھ افریقہ

afrozqadri@gmail.com

غایت : تحفظ وترویج اَثاثۂ علماے اہل سنت وجماعت

تصحیح : مبلغ اسلام حضرت علامہ مولانا محمد عبدالمبین نعمانی قادری

کمپوزنگ : قادری کمپوزنگ اینڈ ڈیزائننگ سینٹر، چریاکوٹ، مئو۔

صفحات : ایک سوچھہتر (176)

طبع اوّل : باہتمام حفیظ الدین بنارسی، صدیقی پریس، بنارس ۱۹۰۶ء

طبع دوم : **نعمانی بک ڈپو، چریاکوٹ** 2017ء–۱۴۳۸ھ

قیمت : 100 ؍روپے

تقسیم کار : اِدارہ فروغِ اسلام، چریاکوٹ، مئو، یوپی، انڈیا

ﻩ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إنَّکَ أنْتَ السَّمِيْعُ العَلِيْمُ ﻩ

بعد ازیں بعد رجسٹری محفوظ ہے کوئی صاحب بلا اجازت مالک مطبع بقصد طبع نہ فرمائیں ورنہ بعوض نفع نقصان اوٹھائینگے۔

هو العزیز

١٨٦٣٠

الحمد للہ والمنۃ کہ رسالۂ نافعۂ خاص و عام مسمّٰے بہ

دم چار یار

سنہ ١٩٠٦ع

مولفہ جناب مولانا مولوی علی حسین صاحب چریاکوٹی

باہتمام حفیظ الدین احمد سوداگر سرائے ہڑہا شہر بنارس

صدیقی پریس بنارس میں چھپکر شایع ہوا

قیمت فی جلد
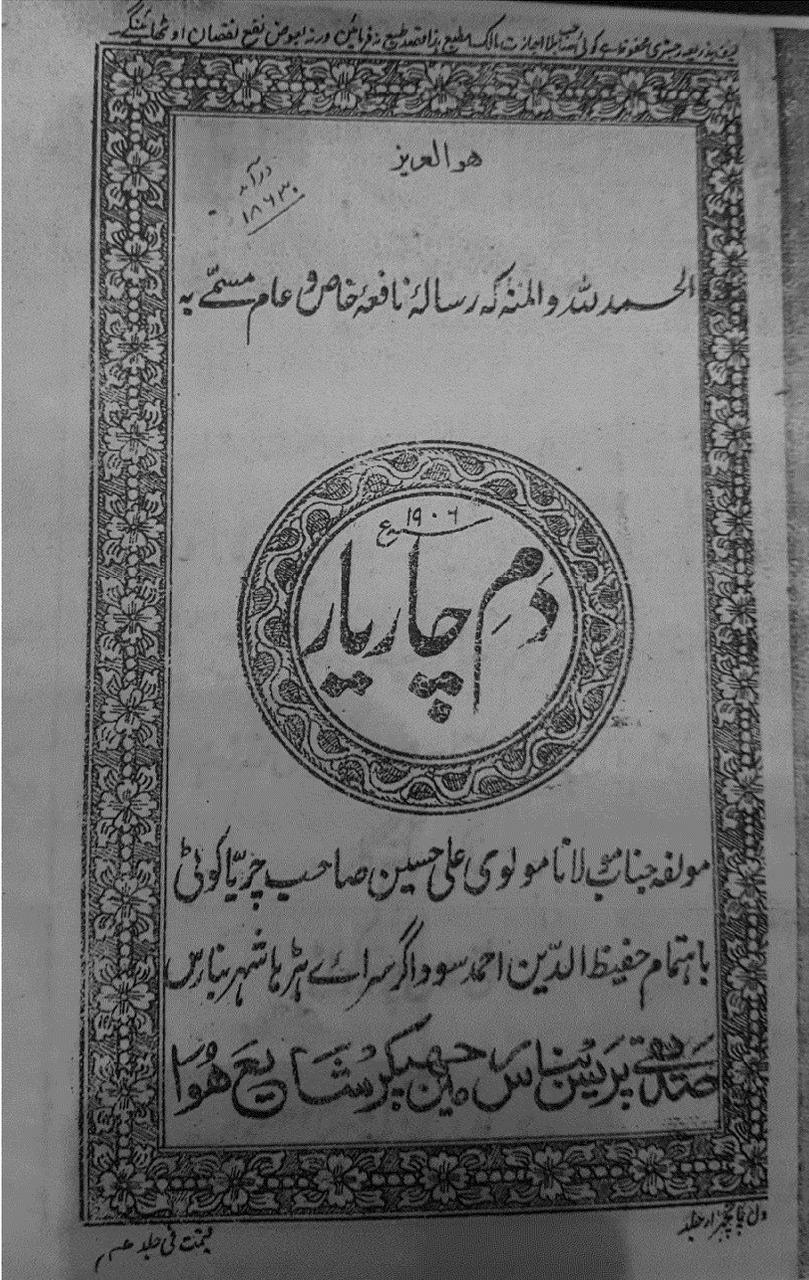
حفیظ الدین احمد سوداگر بنارسی کے اہتمام سے صدیقی پریس بنارس میں مطبوعہ نسخے کا عکس

ڈیڈی کیشن [اِنتساب]

میں اس کتاب کو نہایت اَدب سے دست بستہ

اپنے فاضل دوست اور محترم درویش صفت عالم

جناب مولانا مولوی علامہ احمد مکرم صاحب عباسی چریا کوٹی

کے نام نامی پر معنون کرتا ہوں

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

خاکسار گنہگار

علی حسین چریا کوٹی

۸؍محرم الحرام روز یکشنبہ ۱۳۲۴ ہجری نبوی

فہرست مضامین

دوسرا باب 059

تیسرا باب 108

چوتھا باب 132

مرتب کی معروضات

الحمد للّٰہ والشکر للّٰہ والصلوٰۃ والسلام علیٰ رسول اللّٰہ وعلیٰ آلـہ وأصحابـہ ومن والاہ من یومنا ھٰـذا إلی یوم نلقـاہ. وبعـد!

شیعہ' کائنات کا وہ بدباطن، کور بخت اور نامراد فرقہ ہے جس کے کالے کرتوتوں کے آگے بلا مبالغہ عیسائیت و یہودیت کی سیاہ تاریخ بھی شرم سار ہے۔ یہ ایک تاریخی صداقت ہے کہ کسی عیسائی کے سامنے جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں (صحابہ) کا تذکرہ چھڑ جائے تو اس کی نگاہیں فرطِ اَدب سے جھک جاتی ہیں اور اُس کی زبان سے اُن کے متعلق کلماتِ خیر ہی نکلتے ہیں۔ یہودی بھی حضرتِ موسیٰ علیہ السلام کے رِبیوں (صحابہ) کا بے حد اِحترام کرتے ہیں اور اُن کے لیے خیر واَدب کے بول اِستعمال کرتے ہیں، اور کیوں نہ ہو کہ قافلہ سالارانِ مذہب، پیشوایانِ دین اور محسنین قوم وملت وغیرہ سے محبت وعقیدت لازمۂ فطرتِ انسانی ہے۔

لیکن بد اِعتقاد و بدباطن شیعوں کا حال یہ ہے کہ وہ ایک طرف تو دعویٔ مسلمانی رکھتے ہیں اور دوسری طرح بالواسطہ پیغمبر اسلام محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور بلاواسطہ (باستثنائے چند: حضراتِ علی، مقداد، ابوذر، سلمان فارسی اور عمار بن یاسر رضی اللہ عنہم) آپ کے مقدس صحابہ واَزواجِ مطہرات پر نہ صرف زبانِ دشنام دراز کرتے ہیں بلکہ اُن کے لعن طعن کو عبادت وتقرب کا درجہ دیتے ہیں- الا ماشاء اللہ-۔ اس کے سینکڑوں شواہد وثبوت شیعوں کی معتبر کتب میں موجود ہیں، اور اُن کے ٹی وی چینلز اور نشریات سے کسی بھی وقت اُن کی بکواس اور کفریات وہفوات کھلے کانوں سنی جاسکتی ہیں۔ فلا حول ولا قوۃ اِلا باللہ العلی العظیم

یہ سچ ہے کہ جیسے جیسے ہم عہد رسالت مآب سے دور اور صبح قیامت کی پُر آشوب گھڑیوں سے قریب ہوتے جارہے ہیں اَقدارِ دین کے نشانات مدھم پڑتے جارہے ہیں، اور قوتِ فکر وعمل میں زبردست گراوٹ آتی جارہی ہے۔ خصوصاً ہمارا یہ عہد جس میں ہم سانسیں لے رہے ہیں وہ تو بڑا ہی فتنہ آگیں، ہوش ربا اور صبر آزما ہے۔ ابھی ایک فتنہ ٹھیک سے فرو نہیں ہوتا کہ دوسرا اُس سے بڑا سر اُٹھالیتا ہے، اور لگاتار یکے بعد دیگرے گویا فتنوں کی یلغار ہے، ایسے نازک دور میں دین پر جمے رہنا اور سنت وشریعت پر جادہ پیما رہنا اتنا ہی مشکل ہوگیا ہے جتنا انگاروں پر کھڑے رہنا۔ غیب داں رسولِ اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اُمت کو پیش آنے والے ایسے صبر آزما لمحات کی خبر صدیوں پہلے دے دی تھی۔

يَأتِي عَلَى النَّاسِ زَمَانٌ الصَّابِرُ فِيهِمْ عَلَى دِيْنِهٖ كَالْقَابِضِ عَلَى الْجَمْرِ . (١)

یعنی لوگوں پر ایک ایسا زمانہ آنے والا ہے کہ اس میں دین پر قائم رہنا ایسا ہی صبر آزما ہوگا جیسے کہ انگارے کو مٹھی میں پکڑنا۔

ایک دوسری معروف حدیث میں اس کی مزید وضاحت وتصریح فرمادی گئی :

اِنَّ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ فِتَنًا كَقِطَعِ اللَّيْلِ الْمُظْلِمِ يُصْبِحُ الرَّجُلُ فِيْهَا مُؤْمِنًا وَّيُمْسِي كَافِرًا وَيُمْسِي مُؤْمِنًا وَّيُصْبِحُ كَافِرًا . (٢)

یعنی قربِ قیامت میں اندھیری رات کی مانند فتنے بپا ہوں گے، (اور اُن کا اَثر لوگوں پر یہ ہوگا کہ وہ) صبح کریں گے ایمان کی حالت میں اور شام کریں گے کفر کی حالت میں، یوں ہی شام میں وہ مومن ہوں گے تو صبح میں کافر ہوجائیں گے۔

---

(١) سنن ترمذی: ۲۱۵/۸ حدیث: ۲۱۸۶..... مسند احمد بن حنبل: ۲۵۳/۱۸ حدیث: ۸۷۱۱۔

(٢) سنن ابوداوٗد: ۳۲۸/۱۱ حدیث: ۳۷۱۵..... سنن ابن ماجہ: ۴۵۵/۱۱ حدیث: ۳۹۵۱۔

یعنی مختلف روپ میں فتنوں کا ایسا ظہور ہوگا، اور دین واِیمان کی فصیلوں پر شب خون مارنے والے اِتنی وافر مقدار میں موجود ہوں گے کہ ایک حساس وفکرمند شخص کے لیے اِیمان وعقیدے کا تحفظ بڑا مسئلہ بن جائے گا۔ نبی غیب داں علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مبارک اِرشاد کیسا صداقت بنیاد ہے کہ آج ہم ٹھیک وہی دور کھلی آنکھوں دیکھ رہے ہیں۔ خداوند جلیل ایسے پُرفتن دور میں ہمارے ایمان وعمل کی حفاظت فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

آج کا دور یقیناً فرقہ سازی اور پروپیگنڈے کا دور ہے، جس کے بوتے پر سچ کو چھپانے اور جھوٹ کو باور کرانے کا کاروبار بڑے منظّم پیمانے پر چل رہا ہے۔ ساتھ ہی اِسلام کے نام پرنت نئے فرقے حشرات الارض کی طرح وجود پذیر ہورہے ہیں اور ہرکوئی اپنی حقانیت کا ڈھنڈورا پیٹ رہا ہے، كُلُّ حِزْبٍ بِمَا لَدَيْهِمْ فَرِحُوْنَ . اور اپنے علاوہ دوسروں کو باطل اور گم گشتہ راہ سمجھ رہا ہے۔ حالانکہ سارے توصحیح ہونہیں سکتے، صحیح جب بھی ہوگا ان میں کوئی ایک ہی ہوگا؛ کیوں کہ مذہب حق اور دین اسلام ہمیشہ ایک رہا ہے جو اللہ کا منتخب اور پسندیدہ دین ہے۔ اس کی بہت خوبصورت تمثیل پیارے آقا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں یوں پیش کی ہے :

إن بني إسرائيل تفرقت علىٰ ثنتين وسبعين ملة وتفترق أمتي علىٰ ثلاث وسبعين ملة كلهم في النار إلا ملة واحدة قالوا ومن هي يارسول اللّٰه قال ما أنا عليه وأصحابي . (۱)

یعنی بلاشبہہ بنی اسرائیل بہتر فرقوں میں بٹ گئے اور میری اُمت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی۔ ایک کے سوا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! جہنم سے نجات پانے والا وہ فرقہ کون سا ہوگا (اور اس کی پہچان کیا ہوگی) تو فرمایا: جو میرے اور میرے صحابہ کے راستے (اور عقیدے) پر ہوگا۔

(۱) سنن ترمذی: ۲۳۵/۹ حدیث: ۲۵۶۵......مستدرک حاکم: ۴۳۰/۱ حدیث: ۴۰۸۔

اسی لیے سنت رسول مقبول اور سنت صحابہ کرام پر عمل کرنے والے سوادِ اعظم کی اِتباع کی آپ نے پُر زور ہدایت وتاکید کرتے ہوئے اِرشاد فرمایا :

اتبعوا السواد الأعظم فإنه من شذ شذ في النار . (١)

یعنی تم سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کی اتباع کرو؛ کیوں کہ اس سے جو الگ ہوا وہ تنہا جہنم میں بھیجا جائے گا۔

یہ سوادِ اعظم وہی اہل سنت و جماعت ہے جس کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے :

إن اللّٰہ لایجمع أمتي علی الضلالة، وید اللّٰہ علی الجماعة ومن شذ شذ في النار . (٢)

یعنی اللہ تعالیٰ میری اُمت کو گمراہی پر جمع نہیں فرمائے گا۔ جماعت کے لیے اللہ کی مدد ہے۔ جو شخص جماعت سے الگ ہوا وہ جہنم میں گیا۔

تاریخی حقائق شاہد ہیں کہ فرقوں کی بھیڑ میں مذہب اہل سنت کے علاوہ کوئی ایسا فرقہ نہیں جو 'ما اَنا علیہ واَصحابی' کے معیار پر پورا اُترتا ہو۔ سوادِ اعظم کی شان رکھنے والا یہ فرقہ ہمیشہ اِفراط وتفریط سے گریزاں اور اِعتدال وتوسط کی راہ پر گامزن رہا ہے، اور اس کی پشت پر صدیوں کے تواتر سے علما، فقہا، اولیا، شہدا، اور صوفیہ محققین کی شہادتیں موجود ہیں۔

فرقوں کی اِس بھیڑ میں شیعہ اپنے گھناؤنے، غلیظ اور بھونڈے عقائد کی وجہ سے بالکل الگ تھلک کھڑے دکھائی دیتے ہیں۔ ہندستان میں اِسلام کی آمد کے بعد پانچ چھ صدی تک یہاں صرف اہل سنت و جماعت تھے۔ فرقِ باطلہ کا یہاں کوئی وجود نہیں تھا۔ سنیت وحقانیت کا دور دورہ تھا۔

---

(١) مشکوٰۃ المصابیح بروایۃ ابن ماجہ: ١/٣٨ حدیث: ١٧٤۔

(٢) مستدرک حاکم: ١/٣٨٠ حدیث: ٣٦٠۔

سارے علما ومشایخ سنی حنفی یا شافعی تھے؛ لیکن بد قسمتی سے خراسانی شیعوں کے ذریعہ فرقِ باطلہ میں سے سب سے پہلے شیعیت نے یہاں بال وپر پھیلائے۔ پھر مغل سلاطین کی فوج میں کچھ غالی شیعہ یہاں آئے اور رفتہ رفتہ ان کے قدم جمتے گئے یہاں تک کہ انھوں نے عوام وخواص میں اچھا خاصا اَثر ورسوخ حاصل کرلیا، اور بڑی چابک دستی سے اپنے اَفکار و معتقدات کا رنگ برصغیر کے مذہبی ماحول پر چڑھانے کی نامشکور کوششوں میں لگ گئے۔

خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہر دور میں مذہب حق کی نگہبانی کے لیے کچھ ایسے شاہین صفت ربانی علما پیدا کیے جنھوں نے قوت ودبدبہ کو خاطر میں لائے بغیر تجدید دین کا فریضہ انجام دیا۔ شیعوں کے جمتے ہوئے قدم کو اُکھاڑنے کے لیے حضرت مجدد الف ثانی میدان میں اُترے اور زبان وقلم کا فیاضانہ اِستعمال کیا۔ چنانچہ اس سلسلے میں آپ نے شیعوں کے خلاف فارسی میں 'ردّ روافض' نامی ایک جان دار کتاب لکھی، جس کا عربی ترجمہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے 'المقدمة السنية لانتصار الفرقة السنية' کے نام سے کیا۔

پھر اس کے بعد آپ کے صاحب زادے نابغہ عصر شیخ عبدالعزیز محدث دہلوی نے فارسی میں نصیحة المسلمین اور فضیحة الشیاطین کی غرض سے ایک وقیع وجامع اور لاجواب کتاب 'تحفہ اثنا عشریہ' کے نام سے تحریر فرمائی جو بلا مبالغہ اپنے موضوع پر ایک اِنسائیکلوپیڈیائی شاہکار ہے۔

ردّ شیعیت کے سلسلے میں عصر رواں کے اندر محقق عصر مولانا محمد علی صاحب نقش بندی (پاکستان) کی خدمات جلیلہ بھی آبِ زرّیں سے رقم کرنے کے لائق ہیں کہ مولانا موصوف نے تحفہ جعفریہ، عقائد جعفریہ، فقہ جعفریہ، دشمنانِ امیر معاویہ کا علمی محاسبہ، اور میزان الکتب وغیرہ کی شکل میں شیعوں کے جملہ معتقدات، اِعتراضات اور اُن کے فقہی مسائل وغیرہ کو سترہ (۱۷) ضخیم مجلدات میں تصنیف کر کے ایک ناقابل فراموش تاریخی کارنامہ انجام دیا ہے۔ ایسا مبسوط ومستند اور تحقیقی وتفصیلی کام بلا مبالغہ اِسلام کی چودہ سو سال کی تاریخ میں میرے علم کے مطابق پہلی بار ہوا ہے۔

قارئین با تمکین! خلاصۂ بحث یہ ہے کہ ہر چند کہ شیعہ' تقیہ کا سہارا لے کر خود کو اِسلام کا پیروکار جتانے کی کوشش کرتے ہیں؛ مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا اِسلام اور پیغمبر اِسلام ﷺ کے ساتھ دور کا بھی کوئی تعلق نہیں بنتا۔ کیوں کہ ایمان بنتا ہے اللہ ورسول کو ماننے سے، اور شیعوں کا ماننا ہے کہ 'وہ ایسے اللہ ورسول پر کبھی ایمان نہیں لا سکتے جن کا خلیفہ وجانشین اَبوبکر ہو'۔(نعوذ باللہ من ذالک) (۱)

نیز یہ کہ اہل تشیع کے نزدیک اِمامت کا مقام نبوت سے کہیں افضل و برتر ہے؛ اس لیے اُن کا عقیدہ ہے کہ کوئی بھی پیغمبر کبھی اُن کے خودساختہ اِماموں کے مرتبے کو نہیں پہنچ سکتا۔ جس کا آسان سا مطلب یہ ہوا کہ وہ نہ تو صحیح معنوں میں اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کو مانتے ہیں۔ تو جب وہ اللہ ورسول کو کسی خاطر میں نہیں لاتے تو ایسے بدعقیدوں سے صحابہ واَزواجِ مطہرات کی بابت کس سنجیدگی اور خیر کی توقع رکھی جائے!۔ غور طلب اَمر یہ ہے کہ جن صحابہ کو گالیاں دیتے شیعوں کی زبان نہیں تھکتی اُن کے بارے میں مصطفیٰ جانِ رحمت علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کتنا واضح فرمان موجود ہے:

اللّٰہَ اللّٰہَ فِی أَصْحَابِیْ اللّٰہَ اللّٰہَ فِی أَصْحَابِیْ لاَ تَتَّخِذُوْھُمْ غَرَضًا بَعْدِیْ فَمَنْ أَحَبَّھُمْ فَبِحُبِّی أَحَبَّھُمْ وَمَنْ أَبْغَضَھُمْ فَبِبُغْضِیْ أَبْغَضَھُمْ وَمَنْ آذَاھُمْ فَقَدْ آذَانِیْ وَمَنْ آذَانِیْ فَقَدْ آذَی اللّٰہَ وَمَنْ آذَی اللّٰہَ یُوشِکُ أَنْ یَّأْخُذَہٗ. (۲)

یعنی خبردار، میرے صحابہ کے بارے میں ہوشیار رہنا۔ میرے بعد اُن کو نشانِ طعن وتنقید نہ بنانے لگنا؛ کیوں کہ اُن سے جو محبت کرتا ہے وہ دراصل میری محبت کی وجہ سے اُن سے محبت کرتا ہے، اور جو اُن سے بغض وکینہ رکھتا ہے وہ دراصل

---

(۱) انوارِ نعمانیہ:۲/۲۷۸مطبوعہ اِیران۔

(۲) سنن ترمذی:۱۲/۳۶۲ حدیث: ۳۷۹۷.....شعب الایمان بیہقی:۴/۴۱ حدیث:۱۴۸۳۔

مجھ سے کینہ ونفرت کے باعث اُن سے بغض وکینہ رکھتا ہے۔لہٰذا جس نے اُن کو تکلیف واَذیت پہنچائی اس نے گویا مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف دیا اس نے گویا اللہ کو تکلیف دیا اور اللہ کو تکلیف دینے والا بچ نہیں سکتا، بہت جلد اُس کا مواخذہ ہوگا۔

علاوہ بریں اللہ جل مجدہ نے قرآن حکیم میں تاجدارِ کائنات کے مقدس صحابہ کی تعریف وتوصیف کھلے بندوں فرمائی ہے،اور خوب فرمائی ہے، اِرشاد ہوتا ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗٓ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا. الخ .

(سورۂ فتح: ۲۹/۴۸)

محمد (ﷺ) اللہ کے رسول ہیں،اور جولوگ آپ (ﷺ) کی معیت اور سنگت میں ہیں (وہ) کافروں پر بہت سخت اور زور آور ہیں، آپس میں بہت نرم دل اور شفیق ہیں۔آپ انھیں کثرت سے رکوع کرتے ہوئے،سجود کرتے ہوئے دیکھتے ہیں وہ (صرف) اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے طلب گار ہیں۔ان کی نشانی ان کے چہروں پر سجدوں کا اَثر ہے (جو بصورتِ نور نمایاں ہے)۔ان کے یہ اَوصاف تورات میں (بھی مذکور) ہیں اور ان کے (یہی) اَوصاف انجیل میں (بھی مرقوم) ہیں۔وہ (صحابہ ہمارے محبوبِ مکرم ﷺ کی) کھیتی کی طرح ہیں جس نے (سب سے پہلے) اپنی باریک سی کونپل نکالی، پھر اسے طاقتور اور مضبوط کیا، پھر وہ موٹی اور دبیز ہوگئی، پھر اپنے تنے پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور جب سرسبز وشاداب ہوکر لہلہائی تو) کاشتکاروں کو کیا ہی اچھی لگنے لگی (اللہ نے اپنے حبیب ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو اسی طرح ایمان کے تناور درخت بنایا ہے) تاکہ اِن کے ذریعے وہ (محمد رسول اللہ ﷺ سے جلنے والے) کافروں کے دل جلائے، اللہ نے ان لوگوں سے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے مغفرت اور اجرِ عظیم کا وعدہ فرمایا ہے۔

اللہ شیعوں کو ہدایت دے اور آنکھ بند ہونے سے پہلے اُن کی آنکھیں کھولے۔آمین

کیپ ٹاؤن (ساؤتھ افریقہ) میں کوئی دو دہائی قبل مولوی آفتاب حیدر [پاکستانی] شیعوں کا مبلغ بن کر آیا، پہلے اس نے سنیوں کے دلوں میں اپنی جگہ یوں بنائی کہ ہر مجلس اور محاضرے میں اپنی شرکت وہ ضروری سمجھتا، اور حسب موقع معمولاتِ اہل سنت پر عمل پیرا بھی رہتا، یعنی تقیہ بازی کا مظاہرہ کرنے میں اس نے کوئی کمی روا نہ رکھی۔علما جب عوام کو اس سے بچنے کی تاکید کرتے تو عوام یہی کہتے کہ کسی پر بلا وجہ شک کرنا اچھا نہیں، اس میں تو ہمیں ایسی کوئی بات نظر نہیں آتی جس سے اس کا بائیکاٹ یا اس سے احتراز کیا جائے۔ چنانچہ عوامی مقبولیت کے باعث بالآخر اسے اسٹیجوں پر آکر پیغام رسانی کا موقع بھی مل گیا۔ پھر کیا ہوا کہ اس نے دھیرے دھیرے اپنا رنگ دکھانا شروع کیا، اور دیکھتے ہی دیکھتے سنی نوجوانوں کے ایک بہت بڑے گروہ کو اپنا گرویدہ کرلیا، اور یہ نوجوان اس کے لیے جان و مال تک قربان دینے کے لیے تیار و آمادہ ہوگئے۔ پھر ان کی مدد سے اُس نے ایک بہت بڑا اِدارہ بنام'اہل بیت سینٹر' قائم کیا، جہاں ایران سے جوق درجوق مبلغین کے وفود حشرات الارض کی طرح آنا شروع ہوگئے اور پھر کیا ہوا کہ کیپ ٹاؤن اور اس کے نشیبی و دیہی علاقے میں شیعیت کا وہ زور بڑھا کہ الامان والحفیظ۔

ایسے نازک موقعے پر شیعیت کے بڑھتے ہوئے اَثرات کو روکنے کی غرض سے ۲۰۱۴ء میں علما و مشائخ کی ایک ہنگامی میٹنگ طلب کی گئی، جس میں متفقہ طور پر یہ تجویز پاس ہوئی کہ جس فرقے کی پشت پناہی پوری حکومت کر رہی ہے اس کے طوفانِ بدتمیزی کی روک تھام تو بہت مشکل ہے، ہاں! اِتنا ہوسکتا ہے کہ شیعیت کے مخصوص و مذموم عقائد کو عوام اہل سنت پر آشکار کر کے انھیں اتنا چاک چوبند کردیا جائے کہ اُن پر آئندہ شیعوں کا کوئی حملہ کارگر نہ ہوسکے، اور وہ مزید ان کے دام فریب میں نہ آسکیں۔

چنانچہ اس سلسلے میں فقیر قادری کو انگریزی زبان میں شیعوں کی مستند و معتبر کتب

وسائل کی روشنی میں ان کے عقائد وافکار پر مشتمل ایک کتابچہ لکھنے کی ذمہ داری سونپی گئی۔ الحمدللہ! The Hidden Enemy SHI'A کے نام سے جب وہ کتاب مارکیٹ میں آئی، اوراس کی تقسیم عام ہوئی، اور لوگوں کو شیعوں کے عقائد خبیثہ کا علم ہوا تو جیسے ایک بھونچال سا آ گیا، اور انھوں نے اپنی ردائے غفلت ونادانی کو چاک کر کے اپنی پرانی روش پر پلٹ آنے ہی میں عافیت جانی۔

خدا کا شکر رہا کہ وہ کتاب اَب تک لاجواب ہے۔اس کا کوئی علمی جواب تو نہیں آیا، ہاں! شیعوں کی بہت سی دھمکیاں اور صلواتیں مجھے فون پر ضرور سننا پڑیں، جس سے ڈر کر میرے بعض مخلص اَحباب نے مجھ سے کہا کہ مولانا! شیعہ بڑے خناس ہوتے ہیں، آپ کتاب سے اپنے نام کو حذف کر دیں، یا اس سے اپنی براءت کا اعلان کر دیں، ورنہ کچھ بھی ہوسکتا ہے۔مگر خدا کا شکر ہے کہ آج تک کچھ نہیں ہوا اور ہم اللہ ورسول کی امان میں بخیر ہیں۔

کتاب بھی - ماشاء اللہ- خوب پھل پھول رہی ہے۔کیپ ٹاؤن کے بعد جاہانس برگ، لینس، پورٹ الے زی بتھ سمیت دیگر کئی شہروں سے اس کی ہزار ہا ہزار کا پیاں شائع کرا کے تقسیم کی گئیں، تا کہ پیشگی عوام کو شیعیت کے دام تزویر میں آنے سے محفوظ رکھا جا سکے۔خدا کا شکر ہے کہ اس سے عوام اہل سنت میں کافی بیداری آئی اور فتنہ شیعیت کا بہاؤ بھی بہت حد تک تھم گیا۔

ازاں بعد بعض اَحباب نے خواہش ظاہر کی کہ یہ کتاب اُردو میں بھی آنی چاہیے؛ کیوں کہ اُردو داں طبقہ بھی نفس مسئلہ سے دوچار ہے، اور عام فہم انداز کی کوئی کتاب اس موضوع پر نادارد ہے؛ مگر عدیم الفرصتی کے باعث ایسا ممکن نہ ہوا۔

ایک روز تصانیف علماے چریاکوٹ کی چھان بین میں لگا ہوا تھا کہ اچانک علامہ شیخ علی حسین عباسی چریاکوٹی کی کتاب 'دمِ چار یار' پر نظر پڑی تو سوچا کہ اپنی کتاب کا ترجمہ کرنے سے کہیں بہتر ہے کہ اسی کتاب کو عصر رواں کے مزاج کے مطابق ڈھال کر پیش

کر دیا جائے؛ کیوں کہ اس میں بھی بہت سے ایسے حقائق بیان کیے گئے ہیں جن سے عوام الناس میں مذہب اہل سنت کے تعلق سے پختگی و بیداری آئے گی اور شیعیت کے تار و بود بہت حد تک بکھر جائیں گے۔

اہل خبر کو پتا ہے کہ شیعہ اِن دنوں بہت تیزی سے پھیل رہے ہیں، نتیجے میں شیعیت دبی چالوں سنی گھرانوں میں بھی گھسی آتی ہے؛ اور بہت سے شیعیت والے کام شعوری یا لاشعوری طور پر ہم بھی کرتے جا رہے ہیں اور ایک ذرا رُک کر سوچنے کی فکر نہیں کرتے کہ ایسے لغو و عبث کاموں کا اہل سنت و جماعت کے معمولات سے کیا تعلق ہے؛ مگر عوام بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں؛ اس لیے ایسے خشمگیں حالات میں شیعیت کا پردہ چاک کرنا، ان کے اَفکار و معتقدات کو طشت از بام کرنا اور عوام اہل سنت کو چاہِ جہالت سے باہر نکالنا علماے اہل سنت کا منصبی و اَخلاقی فریضہ ہے؛ تاکہ اُمت کے سادہ لوح لوگوں کا عقیدہ خراب و فاسد ہونے سے بچایا جاسکے۔

اَللّٰھُمَّ أَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ،

وَ اَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ .

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں پامردی کے ساتھ سوادِ اعظم اہل سنت و جماعت پر تا دمِ آخریں قائم و دائم رکھے، اپنے محبوبانِ بارگاہ کی محبت وولا میں جلائے اور مارے اور قیامت کے دن انھیں کی جھرمٹ میں خلد آشیاں فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

نا کارۂ خلائق

محمد اَفروز قادری چریاکوٹی

بروز چہار شنبہ ۱۷/ اگست ۲۰۱۶ء

تعارفِ کتاب

از: مفکر و مبلغ اِسلام حضرت علامہ مولانا **محمد عبدالمبین نعمانی** قادری – دام ظلہ –

’دم چار یار‘ موسوم باسم جدید ’شیعیت کا پوسٹ مارٹم‘ خطہ علم وفن چریا کوٹ کے عظیم عالم مولانا شیخ علی حسین عباسی چریا کوٹی کی ردّ روافض میں ایک منفرد اَنداز کی کتاب ہے جس میں شیعہ اور روافض کے بہت سارے اِعتراضات کا ایسا دنداں شکن جواب دیا ہے جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔

مولانا خود سنی سے شیعہ ہو گئے تھے؛ لیکن اللہ عزوجل نے انھیں رجوع اور صراطِ مستقیم پر اِستقامت کی توفیق عطا فرمائی۔ آپ کے حالات بالکل نہیں ملتے، یہ تو مرتب کتاب مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی – زید علمہٗ وفضلہ – کا کمال ہے کہ انھوں نے اپنی تلاش وتحقیق سے مصنف کے بارے میں بہت کچھ معلومات فراہم کردی ہیں۔ فجزاہ اللّٰہ تعالیٰ خیرا۔

شیعوں کے بہت سارے ان سوالات واِعتراضات کے – جو لاجواب سمجھے جاتے ہیں – مصنف نے ایسے جان دار جوابات سپردِ قلم کیے ہیں کہ معترضین پڑھ کر ہکا بکا رہ جائیں گے۔ سنی عوام اور آج کل کے علما کے لیے بھی یہ کتاب بڑی حد تک مفید اور کارآمد ہے۔ مصنف نے نقلی اور عقلی ہر طرح کے دلائل سے اپنے موقف کو واضح کیا ہے، اور اندازِ بیان محققانہ کے ساتھ عام فہم بھی ہے۔

اس کتاب کو ردّ شیعہ کے ضمن میں مطالعہ کرنا چاہیے۔ مولانا نے چونکہ جگہ جگہ اِلزامی جواب بھی دیا ہے، تاکہ شیعہ جیسی ضدی قوم غور کرے اور رجوع اِلی الحق کی طرف متوجہ ہو۔

کتاب میں بعض مقامات اِصلاح طلب بھی تھے، ان میں کچھ کی اِصلاح کردی گئی ہے اور بعض مقامات علی حالہٖ چھوڑ دیے گئے ہیں جن سے مرتب وناشر کا اتفاق ضروری نہیں۔

مصنف نے اہل بیت اور خلفاے راشدین کے ساتھ علیہ السلام کا بھی کہیں کہیں اِستعمال کیا ہے، اب معلوم نہیں یہ مصنف کا موقف تھا یا ناشر و کاتب کی کارستانی یا شیعوں پر تعریض، بہر حال اس کی بھی حتی المقدور اِصلاح کر دی گئی ہے، بھول سے کہیں رہ گیا ہو تو قارئین درست کر لیں گے۔

مصنف نے ایک مقام پر ُسرکار انگلشیہ کے سایۂ دولت میں' لکھ کر اُس سے اپنی وفاداری کا ثبوت فراہم کیا ہے اس کے بھی وہ خود ہی ذمہ دار ہیں۔ یوں ہی ایک جگہ تعزیہ داری کو بت پرستی سے تعبیر کیا ہے، غالبًا یہ شیعوں کے طرزِ عمل کی بنیاد پر بطور اِلزام کہا ہو، حالاں کہ مروّجہ تعزیہ داری جو بہت ساری خرافات اور توہمات پر مشتمل ہے اس کو جائز نہیں قرار دیا جا سکتا، تاہم اسے بت پرستی سے تعبیر کرنا بھی درست نہیں؛ کیوں کہ بت پرستی شرک ہے، اور کوئی بھی تعزیہ کو نہ بت تصور کرتا ہے نہ اس کو پوجتا ہے، البتہ مروّجہ تعزیہ داری کا عمل ضرور ممنوع و ناجائز ہے۔

فعصی آدم ربہ...... استغفر لذنبک اور ما تقدم من ذنبک کے تراجم بھی غیر مناسب ہیں۔ شاید انھیں بھی بطور الزام تحریر کر دیا گیا ہے، ہم نے ایسے مقامات پر حاشیے میں کنز الایمان سے اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا قدس سرہ العزیز کا محتاط ترجمہ نقل کر دیا ہے۔

بہر حال! اس قسم کی فروگزاشتوں اور تفردات کے باوجود ردِ شیعہ میں یہ کتاب بہت ہی مفید ہے اور دلچسپ بھی۔ اس کتاب کا اتنا فائدہ تو ضرور ہے کہ اس کو پڑھ لینے کے بعد کوئی سنی کبھی شیعہ نہیں ہو سکتا، اور نہ اس سے کوئی شیعہ اُلجھ سکتا ہے۔

محمد عبد المبین نعمانی قادری

۲۱ / ذی قعدہ، ۱۴۳۷ھ / ۲۵ / اگست ۲۰۱۶ء

حالاتِ مصنف شیخ علی حسین چڑیاکوٹی

دبستانِ چڑیاکوٹ اپنی گوناگوں علمی واَدبی وقیع خدمات کی وجہ سے بے نیازِ تعارف ہے۔ یہاں سے اُٹھنے والوں علماے شہیر کا فیضان اَبرِ باراں بن کر برصغیر ہندستان کے چپے چپے پر برسا ہے۔ اہلِ علم وخبر چھ سو سال قدیم علمی تاریخ رکھنے والے اَساطین چڑیاکوٹ کی خدماتِ واقعی سے بے خبر نہیں؛ تاہم نسلِ جدید کو اُن کے نام وکام سے متعارف کرانا ناگزیر ہے۔ چنانچہ اسی اِحساس کے تحت یہ سطریں سپردِ قرطاس ہیں۔

مولانا شیخ علی حسین عباسی چڑیاکوٹی بن شیخ امام علی، قصبہ چڑیاکوٹ کے نامور علما میں شمار کیے جاتے تھے، اور خانوادۂ چڑیاکوٹ کے ایک لعل بے بہا تھے۔ اَدیب دوراں، محقق زماں علامہ علی عباس چڑیاکوٹی کے بھائی، رئیس اعظم چڑیاکوٹ ڈپٹی نذیر احمد عباسی چڑیاکوٹی کے دادا، اور فخر العلماء ونبراس المہندسین علامہ مولانا احمد علی عباسی چڑیاکوٹی سے شرفِ تلمذ رکھتے تھے۔ شجرۂ نسب یہ ہے :

شیخ علی حسین ابن شیخ امام علی ابن غلام حسین ابن محمد سعد اللہ ابن محمد فیض اللہ ابن مولانا مجتبیٰ ابن مفتی محمد یحییٰ ابن مولوی عبد الحق ابن شیخ محمد حمید ابن شیخ محمد ابراہیم ابن شیخ محمد راجی ابن قاضی ابوالحسن محمد ابن قاضی محی الدین نور ابن مخدوم شاہ محمد اسماعیل ہاشمی عباسی ابن ابوالعلا اعز الدین ابن ابوالجلال فخر الدین محمد ابن شیخ محمد فصیح الدین ابن شیخ احمد ملیح ابن شیخ عبد الصالح ابن شیخ غیاث الدین ابن شیخ محمد شریف ابن شیخ زید ابن شیخ عمر ابن شیخ ابوالقاسم ابن شیخ نظام الدین ابن شیخ زین العابدین ابن شیخ ہاشم امیر الامراء ابن ابومظفر ابن شیخ جعفر ابن شیخ عبد الصمد ابن شیخ اسماعیل ابن شیخ ابومنصور ابن شیخ ابو الملک ابن مخدوم ابوالعباس عبد اللہ السفاح (خلیفہ عباسی اوّل) ابن شیخ محمد ابن شیخ ابوالحسن علی ابن (ترجمان القرآن) عبد اللہ ابن ابوالفضل عباس ابن عبد المطلب ہاشمی جد رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ

علیہ وآلہ وسلم ۔(۱)

آپ معقول ومنقول میں طاق اور اِلزامی جواب دینے میں لاجواب تھے۔ بڑے نکتہ رس اور مرنجامرنج طبیعت کے مطالک تھے۔مولانا احمد علی چڑیاکوٹی کی فیض بخش درس گاہ کے انوار نے آپ میں علمی جلالت اورفکری صلابت کی روشنی اُتار دی تھی۔ اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل رگ وریشے میں رچا بسا تھا۔کسی کی تردید کرنے میں کبھی لومۃ لائم کو خاطر میں نہ لاتے اور ببانگ دہل اپنے موقف کا اظہار کردیا کرتے تھے۔مستزاد یہ کہ طبیعت بھی بڑی بے نیازانہ پائی تھی۔

دو بیویاں تھیں۔پہلی شادی ماں باپ نے شاہ رحمت اللہ فاروقی بھیروی علیہ الرحمہ کی دختر نیک اَختر سے کی جو آستانۂ بھیرا کے مشہور فاروقی گھرانے کے ایک مرتاض درویش تھے۔اس بیوی سے صرف ایک فرزند مولوی فیض اللہ پیدا ہوئے۔

دوسری شادی شیخ اِحسان علی ساکن پاری پٹ کی بیٹی مریم بی بی سے ہوئی۔توان سے محمد عیسیٰ نامی ایک فرزند اور ایک بیٹی پیدا ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ اِبتدا میں آپ شیعیت کی طرف مائل تھے؛ مگر پھر بتوفیق الٰہی اَحباب وعلماے اہل سنت کی صحبت ورفاقت کے فیض سے سنی صحیح العقیدہ ہوگئے، اور تادمِ آخر مسلک اہل سنت وجماعت پر قائم رہے۔واللہ اعلم بالصواب۔

دیگر مشاہیر علماے چڑیاکوٹ کی طرح آپ نے بھی لوح وقلم سے اپنا تعلق اُستوار کررکھا تھا اور کئی کتابیں تصنیف کی تھیں جن میں زیر ترتیب کتاب ’دمِ چار یار‘ زیادہ شہرت واہمیت کی حامل اور آپ کی کامیاب ترین کتاب ہے۔

۱۲۹۲ھ (مطابق ۱۸۷۵ء) میں انتقال فرمایا‘۔(۲)

---

(۱) شجراتِ عباسیہ چڑیاکوٹ :۵۸۔

(۲) آپ کے زیادہ اَحوال ہمیں نہیں مل سکے۔معاصر طبقات وتراجم کی جملہ کتب مہر بہ لب ہیں۔یہ چند باتیں ’چراغِ حکمت‘ کے ابتدائیے اور’دم چار یار‘ کے اِقتباسات کی روشنی میں لکھی گئی ہیں۔ -چڑیاکوٹی-

کچھ کتاب کی بابت:

زیرِ ترتیب کتاب 'دم چار یار' اپنے موضوع پر ایک شاہکار علمی کارنامہ ہے، جو حفیظ الدین سوداگر بنارسی کے اِہتمام سے ۱۹۰۶ء میں صدیقی پریس، بنارس سے طبع ہوئی۔ اس کتاب کا اِنتساب ۸/محرم الحرام ۱۳۲۴ھ کو مولانا نے اپنے بہت ہی دیرینہ فاضل دوست، محترم درویش صفت عالم مولانا احمد مکرم عباسی چریاکوٹی (م۱۹۵۲ء/۱۳۷۱ھ) کے نام کیا ہے۔ یہ کتاب دراصل مولوی مقبول احمد جدید شیعی کے اَفکار وخیالات کی تردید میں منصۂ شہود پر آئی۔

مقبول احمد مولانا کے عہد میں شیعوں کا مبلغ اعظم بن کر اعظم گڑھ کے علاقے میں آیا اور اپنی شاطرانہ چال نیز تقیہ کے جال سے سادہ لوح مسلمانوں کے ذہنوں کو صحابۂ کرام واَزواجِ مطہرات کی دشنام طرازی کر کے شکار کرنے کی سعی نامشکور کرنے لگا۔ ایسے عالم میں حساس علما اور مذہبی رہنما کیسے خاموش رہ سکتے تھے، چنانچہ بنارس سے مجاہد اہل سنت حضرت مولانا محمد عبدالسمیع بنارسی حنفی معروف بہ حافظ گھسیٹا نے فوراً نوٹس لیا اور اس کے ہفوات ولغویات کا 'السیف المسلول' کے نام سے ایک مبسوط ومدلل علمی جواب لکھا۔

مگر چونکہ مقبول احمد بہت ہی معقولی آدمی تھا، وہ نقل سے زیادہ عقل کا اِستعمال کرتا اور اپنے عقلی گھوڑوں کو دوڑا کر لوگوں پر بآسانی شیعہ رنگ چڑھا دیتا تھا۔ اب عوام چونکہ تحقیقی مزاج تو رکھتے نہیں، انھیں تو بس دو دونی چار کے انداز میں بات سمجھانی تھی؛ چنانچہ اس کے لیے مولانا علی حسین چریاکوٹی میدان میں آئے اور عقلی ونقلی دلائل وشواہد سے اِحقاقِ حق کا فریضہ انجام دیا، ساتھ ہی مذہب اہل سنت کی تائید وتوثیق اور شیعیت کی تردید وتبکیت میں وہ اِلزامی اور منہ توڑ جواب تحریر کیے ہیں کہ اللہ نے چاہا تو صبح قیامت تک دنیاے تشیع اس کا جوابِ واقعی دینے سے قاصر رہے گی۔

اس کتاب کا نام مولانا نے 'دم چار یار' تجویز کیا، اور اس کی وجہ تسمیہ بیان کرتے ہوئے خود کتاب کے آغاز میں فرماتے ہیں :

'میرے چار دوستانِ صادق اور یارانِ موافق یعنی جناب مولوی مشید الفضل صاحب چریاکوٹی، جناب مولوی احمد مختار صاحب عباسی چریاکوٹی، جناب مولوی شیخ عبدالغفار صاحب ولید پوری اور جناب شیخ محمد حسن صاحب ولید پوری ثم چریاکوٹی سلّمہم اللہ تعالیٰ نے (اس کتاب کو) بہت پسند فرمایا اور ان کے مشورے سے 'دم چار یار' اس کا نام رکھا گیا جو ہر طرح موزوں ومناسب نظر آیا'۔(۱)

یہ نام کئی اِعتبار سے مناسب حال ہے۔ اوّلاً تو یہ کہ چار دوستوں کی رفاقت حقیقی کا رنگ اِس میں گھلا ہوا ہے۔ دوسرے یہ کہ 'حق چار یار' کے نظریے کو اس میں عقلی ونقلی دلائل کے ساتھ بھر پور انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ مگر عصر حاضر کے مزاج کو دیکھتے ہوئے اور بادی النظر میں کتاب کا موضوع سمجھ میں آجانے کی غرض سے ہم نے اس قدیم نام کے ساتھ سرورق پر اس کے ایک نئے نام 'شیعیت کا پوسٹ مارٹم' کا اِضافہ کردیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ 'دم چار یار' کے مقابلے میں یہ نام قارئین زیادہ پسند کریں گے، نیز اس سے کتاب کا موضوع سمجھنے میں آسانی وسہولت بھی ہوگی۔ مستزاد یہ کہ اصل کتاب فہرست سے خالی تھی، ہم نے اس کی تفصیلی فہرست بھی قارئین کی سہولت کے لیے شامل کتاب کردی ہے۔

اس کتاب میں کیا کچھ ہے، اور مولانا نے کس خوبیِ تحریر سے اِحقاقِ حق اور اِبطالِ باطل کا فریضہ انجام دیا ہے، اس پر کچھ تبصرہ کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اس کی جو دلچسپ تفصیلات محقق عصر ابوالجمال علامہ مولانا احمد مکرم عباسی چریاکوٹی نے بیان کی ہیں اور اس کا جو جامع تجزیہ پیش کیا ہے بلاکم وکاست اسی کو بیان کردیا جائے :

---

(۱) دم چار یار، از مولانا علی حسین چریاکوٹی: ص۴۔ مطبوعہ صدیقی پریس، بنارس۔ طبع اوّل ۱۹۰۶ء

'یہ وہ کتاب ہے جس کا نام سن کر شیعوں کے بدن پر لرزہ پڑ جاتا ہے، اور چہروں کا رنگ فق ہو جاتا ہے۔ اور شیعوں کے حواس جتنا ہی گم ہوتے ہیں سنیوں کا فرقہ ناجیہ اتنا ہی بشاش ہوتا ہے۔

اِس مقدس کتاب کے چار باب ہیں۔ پہلے باب میں تبرا کے جواز وعدم جواز کی بحث ہے اور شیعوں کی اس دلیل شرعی کا قرار واقعی رد ہے جس سے وہ صحابۂ کرام پر لعنت کرنے کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

دوسرے باب میں ان اکابر علمائے شیعہ-ہداہم اللہ- کی دلیلوں کا قلع قمع کیا ہے جو تمام عددوں پر بارہ کے عدد کو فضیلت دے کر بارہ اماموں میں امامت کو منحصر کرتے ہیں۔ مولف علام نے ایک سو دس شرعی و عقلی دلیلیں دے کر چار کی فضیلت بدیہی طور پر ثابت کر کے شیعوں کے دعوے کو جو-أَوْهَنُ مِنْ بَيْتِ الْعَنْكَبُوْت- ہے مٹیا میل کر دیا ہے۔

تیسرے باب میں امامت کی بحث ہے جس میں امامت کی محققانہ تعریف کے شروط اور دعاوی شیعہ کی تردید مالا کلام ہے۔

چوتھے باب میں اہل بیت رسول کی تحقیق اور مخالفین کی واقعی گوشمالی ہے'۔(۱)

الغرض! کتاب اپنے موضوع پر بھرپور اور داد وتحسین کی مستحق ہے اور اس کو پڑھنے کے بعد اہل سنت و جماعت کی حقانیت اور شیعیت کے بطلان کے حوالے سے قارئین کو یقیناً بڑا اِنشراح صدر اور یقین کامل نصیب ہوگا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی بارگاہ میں دعا ہے کہ مولانا موصوف کو اُن کی خدماتِ جلیلہ کا بھرپور صلہ ملے، اُن کی قبر بقعہ نور بنے، اور گم گشتگانِ راہ کو صراطِ مستقیم کی دولت بے بہا نصیب ہو۔ وما ذالك على الله بعزيز .

خويدم العلم والعلماء- **ابورفقہ محمد اَفروز قادری چریاکوٹی عفی عنہ القوی**

---

(۱) 'چراغِ حکمت' از مولانا احمد مکرم عباسی چریاکوٹی، فرنٹ فلیپ کور۔
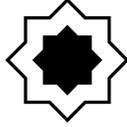
عرضِ مصنف

الحمد للّٰہ الذي نهى المؤمنين عن السباب والسلام والصلوٰة علىٰ محمد صاحب الوحی والکتاب وعلى اٰله الکرام وأصحابه العظام صلى اللّٰه عليه وعليهم إلى يوم القيام .

میرے آبا' مذہب اہل سنت و جماعت کے پیرو' نامعلوم زمانے سے رہے ہیں۔اور میں بھی ہوش وحواس کے زمانے سے پہلے اس مذہب حق کا پیرو رہا۔شومیِ طالع سے ایسی صحبت میسر ہوئی جس نے پہلے تفضیلیت کا رجحان دلایا اور پھر اچھا خاصا شیعہ بنالیا۔ میں نے اس نئے مذہب میں آنے کے بعد وقتاً فوقتاً اس کے مسائل پرعبور حاصل کرنا چاہا،اور اصولِ مذہب سے واقف ہونا چاہا تو ان میں سے چند غیر معمولی اُصول میری نظروں کے سامنے آئے جن میں سے ایک دشنام دہی (یعنی گالی دینا) تھی۔

اگر میں دنیا حاصل کرنے کے لیے مذہب اختیار کرتا تو وہ مذہب' عیسائی مذہب ہوتا۔پس اصلی غرض نجاتِ اخروی تھی؛اس لیے میں نے ان چند اصولوں کو اور پہلے دشنام دہی کو جانچنا شروع کیا۔ پہلے میں نے اسلام کو غیر اسلام کے مقابلے میں لیا اور پایا کہ کسی ملت میں گالی دینا موجب ثواب نہیں ہے،اس کے بعد مذہب اسلام میں دیکھا تو قرآن پاک ناطق ہے :

وَلاَ تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ . . . (سورۃ الانعام:۱۰۸/۶)

اور (اے مسلمانو!) تم ان (جھوٹے معبودوں) کو گالی مت دو جنہیں یہ (مشرک لوگ) اللہ کے سوا پوجتے ہیں....۔

اور حدیث شریف میں ہے :

لا تسبوا الدهر ...(۱) . لا تسبوا الدیک... (۲)

(یعنی زمانے کو برا بھلا نہ کہو۔ مرغ کو گالی نہ دو)

اس کے بعد ہم نے تاریخ کا مطالعہ کیا تو دیکھا کہ ان صحابۂ کرام پر خدا کی رحمت نہ ہوتی تو آج ہندوستان میں یا 'رام رام' ہوتا، یا 'اوگاڈ مائی لاڈ' (O God, My Lord) ہوتا۔ تو اس کا صلہ اُن کو رضی اللہ عنہم قوم سے ملے، یا قوم کے ایک حصہ سے یہ ملے کہ ان کو برائی سے یاد کیا جائے۔

حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اِسلامی لشکر اور عیسائی فوج میں ایک سال کے لیے صلح ہوئی۔ سرحد پر جو ستون تھا اس کے ایک جانب عیسائی شہنشاہ کی تصویر تھی جس کو کسی مسلمان سپاہی نے بگاڑ دیا۔ اس سے مناقشہ کی صورت پیدا ہوگئی۔ بالآخر باہمی قرار داد اِس پر ہوئی کہ امیر المومنین اس کا فیصلہ کریں۔

حضرت کے سامنے جب روئیداد پیش ہوئی تو آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں نے صلح کے زمانے میں نازیبا حرکت کی۔ پھر یہ فیصلہ کیا کہ ستون کے دوسری جانب امیر المومنین کی شبیہ بنائی جائے، اس تصویر کو شامی اسی طریقے سے محو کر دیں جیسے عیسائی شہنشاہ کی تصویر کو مسلمانوں نے بگاڑا تھا۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۳۱۳/۱۱ حدیث: ۴۱۶۹ ...... مسند احمد بن حنبل: ۳۱۶/۱۸ حدیث: ۸۷۷۴۔

(۲) سنن ابوداؤد: ۳۰۰/۱۳ حدیث: ۴۴۳۷ ...... مسند احمد بن حنبل: ۱۵۸/۴۴ حدیث: ۲۰۶۹۰۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے خدا کے حکم کی پابندی کی اور اپنی فوج کو اَخلاقی سزا دی۔ مجھ کو اس کے مطالعہ سے عبرت ہوئی اور ایک سبق حاصل ہوا کہ جب دشمن اسلام کے مقابلے میں ایک معمولی دنیاوی بادشاہ کی ادنیٰ توہین پر یہ حکم ہوا تو اِسلامی جماعت میں برگزیدہ اور باوقار سرداروں کی بڑی سے بڑی توہین کی کیا کچھ سزا نہ بھگتنی پڑے!۔

یہ خیال پیدا ہوا اور اپنی تسکین شیعی علما سے کرنی چاہی اور نہ ہوئی تو پھر سنی علما کی صحبت عالی سے اِستفادہ کیا۔ کتب بینی میں اپنا وقت صرف کرنا شروع کیا جس کا نتیجہ یہ مجموعۂ اَوراق ہے جو حضرات ناظرین کی خدمت میں پیش ہے۔

ادھر مولوی مقبول احمد صاحب جدید شیعی کی زبان درازیوں اور تبرے بازیوں نے وہ اُدھم مچائی کہ سنیوں کی ناک میں دم آ گیا۔ مجبور ہوکر بعض خیر خواہانِ اسلام نے ان بدزبانوں کے جواب میں قلم اٹھایا؛ مگر علماے اہل سنت و جماعت –کثرھم فی البریہ– خاموش رہے؛ کیونکہ ایسے بازاری اور عامی لوگوں کے منہ لگنا ان کے شان کے خلاف تھا۔

ہمارے ضلع اعظم گڑھ میں ایک موضع سرائے میر مسکنِ شیعیانِ تبرا گو ہے۔ وہاں کے شیعوں نے خاص کر مولوی مقبول احمد صاحب کو نئے نئے تبرے سننے کے لیے طلب فرمایا اور روزِ موعود پر ہزاروں لاکھوں شیعے وعظ سننے کے لیے جمع ہوئے۔

اِتفاقاً میرے چند دوستانِ صادق بھی وہاں وارد ہوئے اور وعظ کا شور سن کر نہایت ذوق وشوق سے مجمع وعظ میں پہنچے؛ لیکن وہاں جو پہنچے تو وعظ کیا تھا، تبرے کی بوچھار تھی اور صحابۂ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم پر لعن طعن تھا۔ چنانچہ یہ ناگفتی باتیں سن کر وہ سخت کبیدہ خاطر اور برافروختہ ہوکر مجلس سے اُٹھ گئے۔

اُن کی زبانی یہ حالات سن کر مجھ کو جوش آ گیا۔ رگِ حمیّت کو حرکت ہوئی اور فوراً ایک ایسی کتاب لکھنے کا تہیہ کیا جو شیعوں خصوصاً مولوی مقبول احمد صاحب کے لیے سوہانِ روح ہو جائے۔

جب کتاب تیار ہو چکی تو میرے چار دوستانِ صادق اور یارانِ موافق یعنی جناب مولوی مشید الفضلا صاحب چریا کوٹی، جناب مولوی احمد مختار صاحب عباسی چریا کوٹی، جناب مولوی شیخ عبدالغفار صاحب ولید پوری اور جناب شیخ محمد حسن صاحب ولید پوری ثم چریا کوٹی سلمہم اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا اور ان کے مشورہ سے **دم چار یار** اس کا نام رکھا گیا جو ہر طرح موزوں و مناسب نظر آیا۔

یہ کتاب تالیف کرنے کے وقت سنا گیا کہ مولوی مقبول احمد صاحب پر فیض آباد میں مقدمہ چل رہا ہے اور ختم ہونے کے بعد سننے میں آیا کہ سزا ہو گئی۔ایک ہزار روپیہ جرمانہ دس ہزار کی ضمانت اور پانچ ہزار کا مچلکا۔واللہ اعلم بالصواب۔

چلیے چھٹی ہوئی۔دنیا میں تو خوب بدلہ ملا اور ابھی عاقبت کی رو.......الگ ہے ؎

عاقبت اے موذیاں پاداش بدکاری بدیست

مزد ہر کارے بہر کارے مہیا کردہ اند

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پہلا باب

پہلی فصل

بعذ روتو بہ تواں رست از عذاب خدائے

ہنوز می نتواں از زبان مردم رست

یہ معلوم ہے کہ دنیا میں کوئی شخص خلق اللہ کے اِلزام سے نہیں بچا، حتی کہ ملحدین کو جناب باری تعالیٰ میں بھی کلام ہے۔ معتزلہ انبیا علیہم السلام کی عصمت سے اِنکار کر بیٹھے۔ حضرت آدم علیہ السلام سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک کوئی پیغمبر ایسا نہیں جس کو ان معتزلیوں نے گناہوں سے منسوب نہ کیا ہو۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ اپنے ان مہمل دعووں پر کتاب وسنت سے سند بھی لائے۔

فرقۂ یہود کو ملائکہ علیہم السلام کی عصمت سے اِنکار رہے۔ خوارج نواصب نے حضرت علی اور اہل بیت کرام پر طرح طرح کی اِفترا پردازیاں کیں اور روافض، ازواج مطہرات اور صحابہ کرام خصوصاً خلفاے ثلاثہ (ابوبکر صدیق، فاروقِ اعظم اور عثمانِ غنی) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر لعنت کرنی ثواب سمجھتے ہیں۔

لیکن اَربابِ عقل ودانش پر خوب روشن ہے کہ یہ سب کچھ کتوں کی عوعو سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا، اور نہ ان چند مطاعن سے ان بزرگانِ اسلام کی قدر ومنزلت میں کسی قسم کا نقصان آسکتا ہے۔ کسی شاعر کا شعر ہے ؎

وإذا أتتک نقیصتی من ناقصٍ

فھي الشھادۃ لی بأنی کامل

یعنی جب کوئی ناقص آدمی میری مذمت اور میرے نقص کو ثابت کرے تو یہ میرے کامل ہونے کی دلیل ہے۔

صحابۂ کرام اوراَزواج مطہرات علیہم السلام والصلوٰۃ کی یہ بھی ایک کرامت ہی سمجھنی چاہیے کہ یہ بدگویوں کا گروہ باوجود اس کے کہ عمر بھر ان بزرگوں کی عیب جوئی میں لگا رہا سوائے چند طعنوں کے– جو ذرا سی فکر میں ھباءً منثوراً ہوجاتے ہیں– زیادہ نہ پاسکا۔

غور کرنے کی بات ہے کہ جو فرد (کامل) ریاست عامہ رکھتا ہو، تمام مسلمانوں کا فرماں روا ہو، خلق اللہ کے ساتھ اس کے گونا گوں معاملات ہوں اور باوجود ان مہماتِ عظیمہ کے عمر بھر میں اس سے تیرہ یا چودہ عیب بھی سرزد ہو گئے تو یہ ہرگز محل طعن نہیں ہوسکتا!۔ جو آدمی ایک ادنیٰ گھر کا مالک ہوتا ہے اس سے روزانہ دس بارہ خطائیں سرزد ہوجائیں اور بقیہ سب کام درست رہیں تو اچھی سمجھ والے اس کو غنیمت سمجھتے ہیں۔

اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ جو اِلزامات حضرات شیعہ ان اصحاب رسول اللہ ﷺ پر عائد کرتے ہیں وہ صحیح ہیں تو بھی اہل اسلام کی یہ شان نہیں ہونی چاہیے کہ سلف صالحین اور اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر طعن وتشنیع کریں، ان بزرگوں کو قبیح الفاظ سے یاد کریں، اور بھلائیوں سے چشم پوشی کر کے چند برائیوں میں ہی لگے رہیں۔ شیعہ –ھداھم اللّٰہ تعالیٰ– امامت کو بارہ اِماموں میں منحصر کرتے ہیں؛ اس لیے ہم بھی تبرکاً اپنے اس دعویٰ پر بارہ دلیلیں پیش کرتے ہیں۔

اوّلاً: اس وجہ سے کہ ہم میں کا خراب سے خراب آدمی مر جاتا ہے تو عادتاً اس کی برائیوں کو زبان پر لانا عیب سمجھا جاتا ہے، چہ جائیکہ اصحابِ رسول اللہ ﷺ کو برا بھلا کہا جائے، اور پھر اپنے کو مستحق ثواب سمجھیں، لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

قرآن مجید میں بصراحت وارد ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو درخت کا پھل کھانے سے ممانعت فرمائی؛ لیکن آپ نے باوصف ممانعت کے کھا ہی لیا اور معتوب الٰہی ہوئے؛ چنانچہ سورۂ طٰہٰ میں قرآن کے الفاظ یہ ہیں :

وَعَصىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوىٰ . (سورۂ طٰہٰ: ۲۰/۱۲۱)

ترجمہ: پس نافرمانی کی آدم نے اپنے پروردگار کی اور بھٹک گئے۔(۱)

یہ تو اللہ تعالیٰ کے صریحی الفاظ ہیں: لیکن مومن اور ایماندار کو لائق نہیں ہے کہ حضرت آدم کو نافرمان، گمراہ اور بھٹکا ہوا کہے، جس سے آپ کی حقارت لازم آئے؛ کیونکہ باتفاق فریقین نبی کی تحقیر اور اس کی عیب جوئی کفر ہے۔ پس جب کہ ایسی صریحی خطا سے حضرت آدم پیغمبر کی عصمت میں فرق نہیں آیا اور آپ کو برا کہا جانا کفر ہے تو صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر لعن تبرا کرنا کیوں نہ فسق عظیم ہو!۔ کیوں کہ ان حضرات کی کوئی لغزش قطعی طور پر ثابت نہیں اور ثابت ہو بھی تو ہم کو اس کے پیچھے لگے رہنا زیبا نہیں ہے ع :

خطاے بزرگاں گرفتن خطاست

اگر شیعوں کی طرف سے یہ جواب دیا جائے کہ 'اگرچہ خدا نے صریح الفاظ میں یہ فرمادیا کہ آدم نے اپنے پروردگار سے نافرمانی کی اور بھٹک گئے' لیکن اس کے بعد ہی ارشاد فرمادیا:

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدىٰ . (سورۂ طٰہٰ: ۲۰/۱۲۲)

---

(۱) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا احمد رضا محدث بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان نے اِحتیاط کے ساتھ اس کا ترجمہ یوں کیا ہے: 'اور آدم سے اپنے رب کے حکم میں لغزش واقع ہوئی تو جو مطلب چاہا تھا اس کی راہ نہ پائی'۔(کنز الایمان)

یعنی پھر آدم کو اس کے پروردگار نے پسند کر لیا پھر اس کی توبہ قبول کر لی اور وہ ہدایت پر آ گئے۔

تو ہم **جواب الجواب** گزارش کریں گے کہ جناب! اوّلاً تو آپ کی یہ سب اِفترا پردازیاں ہیں جن کی کچھ اَصلیت نہیں ہے اور اگر اصلیت ہو بھی تو یہ کیا معلوم کہ وہ بلا توبہ دنیا سے گئے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول نہیں کی؛ حالانکہ قرآن مجید شیعوں کے اس اِعتقاد کا صاف طور پر بطلان کر رہا ہے۔ سورۃ الفتح میں ہے:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّکِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَاَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا .

(سورۂ فتح: ۱۸/۴۸)

(اے پیغمبر!) جب مسلمان (کیکر کے) درخت کے تلے تمہارے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے خدا (یہ حال دیکھ کر) ان مسلمانوں سے راضی ہو گیا اور اس نے ان کے دلی عقیدہ کو جان لیا اور ان کو اطمینان (قلب) عنایت کیا اور اس کے بدلے میں ان کو سردست فتح دی۔

یہ آیت کریمہ صاف صاف بتلا رہی ہے کہ جو صحابہ کرام بیعت الرضوان میں شریک تھے اور جنہوں نے کیکر کے درخت کے نیچے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں پر بیعت کی ان سے اللہ راضی ہو گیا اور جس سے اللہ راضی ہو وہ مرتد و منافق نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ منافق سے خدائے عالم الغیب راضی ہو ہی نہیں سکتا۔

اگر **شیعہ** یہ جواب دیں کہ اس وقت بیعت کرنے سے اللہ راضی ہو گیا پھر بعد کو وہ صحابہ (معاذ اللہ منہا) مرتد ہو گئے تو اللہ کی رضا مندی بھی جاتی رہی۔ اس مہمل اعتراض کے دو جواب ہیں۔

اولاً: تو یہ کہ خدا عالم الغیب ہے وہ ایسے لوگوں سے راضی کب ہوتا جو دین اسلام

سے پھرنے والے ہیں؛ کیوں کہ یہ بشر کے اَوصاف میں سے ہے جو آئندہ حالات سے واقف نہیں ہے کہ جہاں کسی نے اچھا کام کیا خوش ہوگئے اور جہاں کوئی برائی صادر ہوئی ناراض ہوگئے۔ پھر بنی آدم میں بھی نفوسِ متزکیہ اور ذی عقل ایسا نہیں کرتے؛ مگر حضرات شیعہ اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی چھچھورا سمجھتے ہیں (نعوذ باللہ منہا) کہ ذرا سی بات میں راضی ہوگیا اور پھر تھوڑی دیر میں خفا ہوگیا!۔

ثانیاً: یہ کہ خود اللہ تعالیٰ نے اسی آیت میں فرمادیا:

فَعَلِمَ مَا فِی قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ . (سورۂ فتح:۱۸/۴۸)

ترجمہ: اور اس نے ان کی دلی عقیدت کو جان لیا اور ان کو اطمینان عنایت کیا۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے صحابہ کی دلی عقیدت کو سمجھ لیا کہ اب وہ پھرنے والے نہیں ہیں؛ اس لیے ان سے راضی ہوگیا، اور ان کو اطمینان دیا۔ پس اب مخالفین کو یہ کہنے کی بھی گنجائش نہیں ہے کہ صحابہ اس کے بعد پھر مرتد ہوگئے؛ کیونکہ اللہ یہ جان کر راضی ہوا تھا کہ وہ اسلام سے پھرنے والے نہیں ہیں۔ مع ہذا حضرات **شیعہ** تو صحابہ کرام کو شروع ہی سے منافق بتلاتے ہیں، پھر-معاذ اللہ- ان منافقوں سے اللہ تعالیٰ کیونکر راضی ہوگیا حالانکہ بالخصوص اَبوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کا 'بیعت الرضوان' میں شریک رہنا مُسلَّم بین الفریقین ہے۔

پھر اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ الَّـذِیْـنَ یُبَایِعُوْنَکَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُاللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ فَمَنْ نَّکَثَ فَاِنَّمَا یَنْکُثُ عَلٰی نَفْسِهٖ ... (سورۂ فتح:۱۰/۴۸)

یعنی اے پیغمبر! جو لوگ تمہارے ہاتھ پر بیعت کررہے ہیں وہ (تم سے نہیں بلکہ) خدا ہی سے بیعت کررہے ہیں۔ خدا کا ہاتھ ان کے ہاتھوں پر ہے۔ تو جو (اقرار کیے پیچھے اس کو) توڑ دے گا تو توڑنے کا وبال خود اسی پر پڑے گا۔

ف اس آیت میں اللہ تعالیٰ صحابہ کرام کی تعریف وتوصیف فرماتا ہے کہ جن لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی انھوں نے رسول کی نہیں بلکہ درحقیقت اللہ کی بیعت کی، اوران کے ہاتھوں پر رسول کا ہاتھ نہیں بلکہ خدا کا ہاتھ ہے۔

اب حضرات شیعہ بصراحت یہ امر ثابت کریں کہ ان صحابہ کرام نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت توڑ دی؛ لیکن وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے؛ کیونکہ یہ ان کے امکان سے باہر بات ہے کہ اللہ اوراس کے رسول کی دی ہوئی سچی خبر کو جھٹلا دیں۔ **فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ ...** (سورۂ بقرہ:۲/۲۴)

پھر اگر اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گزر جائے اور مشرکین کا جنت میں داخل ہونا ثابت ہو جائے اور شیعہ ثابت کر دیں کہ صحابہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیعت توڑ دی تو ان پر لعنت کرنے کا جواز کیونکر حق ہوگا؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا کہ جو بیعت توڑ دے گا اس پر خود وبال پڑے گا؛ مگر ان بیعت توڑنے والے پر لعنت نہیں کی، تبرا نہیں کیا۔ پھر جب خدا نے خود لعنت کرنا مکروہ سمجھا تو یہ حضرات شیعہ کہاں سے اور کیونکر لعنت کے مستحق بن گئے!۔

پھر اسی سورہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

اِذۡ جَعَلَ الَّذِیۡنَ کَفَرُوۡا فِیۡ قُلُوۡبِهِمُ الۡحَمِیَّةَ حَمِیَّةَ الۡجَاهِلِیَّةِ فَاَنۡزَلَ اللّٰهُ سَکِیۡنَتَهٗ عَلٰی رَسُوۡلِهٖ وَعَلَی الۡمُؤۡمِنِیۡنَ وَاَلۡزَمَهُمۡ کَلِمَةَ التَّقۡوٰی وَکَانُوۡۤا اَحَقَّ بِهَا وَاَهۡلَهَا ... (سورۂ فتح:۴۸/۲۶)

یعنی جب کافروں نے اپنے دلوں میں ضد ٹھان لی جاہلیت کی سی ضد تو اللہ نے اپنے رسول اور مسلمانوں کو اپنی طرف سے اطمینان عنایت کیا اور ان کو پرہیزگاری کی بات پر جمائے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق بھی تھے۔

فائدہ ناظرین غور فرمائیں! خدا تو فرماتا ہے کہ ہم نے صحابہ کو پرہیزگاری کی بات پر

جمائے رکھا اور وہ اس کے سزاوار اور لائق تھے؛ مگر مومنین شیعہ ڈانٹ کر کہتے ہیں کہ نہیں! بالکل غلط ہے۔ صحابہ تو مرتد ہو گئے جو پہلے ہی سے منافق تھے اور ہرگز ہرگز نہ اس کے لائق تھے، نہ سزاوار تھے۔ دعا کیجیے کہ اللہ ان کو ہدایت دے۔

صحابہ کرام کی تعریف و توصیف میں بے شمار آیات کریمہ وارد ہیں جن کے لکھنے کے لیے مستقل کتاب درکار ہے؛ مگر جن کے دلوں میں نورِ ایمان ہو ان کے لیے اتنا ہی لکھنا کافی ہے۔

دوسرے: اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلاَ يَغْتَبْ بَعْضُكُمْ بَعْضًا اَيُحِبُّ اَحَدُكُمْ اَنْ يَّأْكُلَ لَحْمَ أَخِيْهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوْهُ ... (سورۂ حجرات:۱۲/۴۹)

یعنی تم میں سے کوئی دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہے۔ بھلا تم میں سے کوئی گوارا کرے گا کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے۔ یہ تو تم کو ہرگز گوارا نہ ہوگا۔

ف غیبت کی تعریف یہ ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تم لوگ جانتے ہو غیبت کیا ہے؟

صحابہ نے کہا: اللہ اور اس کا رسول خوب واقف ہے۔

آپ نے فرمایا: کسی کی پیٹھ پیچھے اس کو ایسی بات کہنی کہ اس کو سننے پر ملال ہو۔

صحابہ نے کہا: یارسول اللہ! اگر ہم ایسی بات کہیں جو اس میں موجود ہو تب؟

آپ نے جواب دیا: یہی تو غیبت ہے اور اگر ایسا عیب بیان کرو جو اس میں نہیں ہے تب تو وہ بہتان ہے۔

غیبت کی یہ تعریف شیعہ سنی دونوں میں مسلم ہے۔ تو جب عام لوگوں اور عام مسلمانوں کی غیبت حرام ہے تو اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی غیبت - گو وہ برے بھی

ہوں- کیوں کر درست ہوسکتی ہے! نہ کہ ان صحابہ پر لعن وتبرا کرنا جن کی تعریف وتوصیف میں قرآن سچا گواہ ہے۔

تیسرے : اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

لاَ یُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ... (سورۃ نساء: ۴/ ۱۴۸)

یعنی اللہ کو یہ پسند نہیں کہ کوئی کسی کو منہ پھوڑ کر برا کہے؛ مگر مظلوم ظالم کو منہ پھوڑ کر برا کہہ بیٹھے تو وہ معذور ہے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ صرف مظلوم کو اِجازت دیتا ہے کہ وہ اگر ظالم کو برا کہہ بیٹھے تو وہ معذور ہے۔ پس سوائے مظلوم کے کسی فرد اِنسان کو لائق نہیں ہے کہ کسی کو برا بھلا کہے گو وہ کیسا ہی خراب کیوں نہ ہو!۔

پس **شیعے** اور مولوی مقبول احمد صاحب جو اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو گالی دیتے ہیں وہ کس حق سے!۔ہم نے مانا کہ انہوں نے اہل بیت پر ظلم بھی کیا تو جس پر ظلم ہوا وہ آپ برا کہنے پر قادر تھا!!،ان حضرات کو برا کہنے کی وراثت کیونکر مل گئی!!!۔

چوتھے : اس وجہ سے کہ عام مسلمانوں کا اِعتقاد ہے کہ صحابہ کرام اور اہل بیت نبی ﷺ اَحکام الٰہی کے پورے پورے پابند تھے،نہایت محتاط تھے،دوسروں کی خطاؤں سے درگزر کرنے والے تھے، برائی کے بدلے میں بھلائی کرتے تھے؛ چنانچہ ائمہ اثنا عشر وغیرہ کے مناقب میں شیعوں کی کتب معتبرہ ایسی روایتوں سے بھری پڑی ہیں۔

قرآن میں جابجا وارد ہے :

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ . (سورۃ اعراف: ۷/ ۱۹۹)

یعنی درگزر کا شیوہ اختیار کرو اور بھلائی کا حکم کرو اور جاہلوں سے کنارہ کش رہو۔

دوسرے مقام پر ہے :

وَجَزَآءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفٰى وَاَصْلَحَ فَاَجْرُهٗ عَلَى اللّٰهِ ... (سورۂ شوریٰ:۴۲/۴۰)

یعنی اور برائی کا بدلا برائی ہے مثل اس کے، پھر جو کوئی معاف کر دے اور صلح کر لے تو اس کا اجر اللہ پر ہے۔

اب ہم کہتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضرت علی یا اہل بیت رسول ﷺ پر بفرضِ محال ظلم وستم بھی کیا تو وہ دو حال سے خالی نہیں یا تو انہوں نے معاف کر دیا یا بدلا لے لیا۔

اگر انہوں نے معاف کر دیا جیسا کہ غالب خیال ہے اور بلحاظ ان کی دینداری کے کہا جا سکتا ہے تو پھر شیعوں کو لعن وتبرا کا حق کہاں سے آیا!؛ کیونکہ جس پر ظلم ہوا اُس نے خود معاف کر دیا، پھر دوسروں کو خواہ مخواہ 'مدعی سست گواہ چست' کے مصداق بننے کی کیا ضرورت ہے!!۔

اور اگر حضرت علی یا اہل بیت نے کسی طرح پر اپنے ظلم کا بدلا لے لیا تو اولاً تو ان حضرات نے منطوق آیت کے خلاف یا کم سے کم احتیاط اور تقویٰ کے خلاف کیا؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے درگزر اور معاف کرنے کو 'احسن' بتلایا اور ان متقیوں نے احسن طریقہ چھوڑ دیا۔ دوسرے یہ کہ پھر ان حضرات شیعہ کو برا کہنے کا منصب نہیں رہتا!!!۔

اگر **شیعہ** یہ کہیں کہ اہل بیت اور ائمہ معصومین مظلومین نے خود بدلا نہیں لیا؛ مگر ان پر لعنت کی اور برا کہا اور ہم ان کی تقلید میں لعن وتبرا کرتے ہیں۔ تو اس کا **جواب** یہ ہے کہ اولاً تو اگر ان حضرات نے ایسا کیا تو پھر وہی مذکورہ بالا اعتراض وارد ہوگا کہ انہوں نے تقویٰ کے خلاف کام کیا، پھر جس کے پیشوا ایسے بے صبرے ہوں کہ کوئی ظلم کرے تو اس کو برداشت نہ کر سکیں اور فوراً اس پر لعنت کرنے لگیں تو ان کے مقلدین کا کیا کہنا!۔

احادیث وتواریخ معتمدہ سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی کسی سے ظلم کا بدلہ نہیں لیا، نہ آپ نے کسی پر لعنت بھیجی، بلکہ آپ کفار کے حق میں دعا کرتے تھے کہ خداوندا! ان کو ہدایت دے، ان کو ایمان نصیب کر؛ لیکن ائمہ معصومین نے بقول شیعہ رسول اللہ ﷺ کی مطلق پیروی نہیں کی اور لگے اپنے دشمنوں پر لعنت بھیجنے!!۔

دوسرے یہ کہ **شیعہ** ہم کو اپنے کسی امام معصوم کا یہ صحیح قول دکھلا دیں جس میں آپ نے حکم دیا ہو کہ تم فلاں فلاں صحابۂ رسول اللہ پر لعنت کرو اور جب ایسا نہیں ہے تو کیوں ناحق صحابہ پر لعن وتبرا کر کے اپنی عاقبت خراب کرتے ہیں!۔

تیسرے یہ کہ **شیعہ** اگر فقط تقلید ہی کرتے تو خیر؛ مگر نہیں، گالی دینا تو اعلیٰ جزوِ مذہب ہے۔

پانچویں: اس وجہ سے کہ جو کچھ ہونا تھا ہو چکا، اب لعن وتبرا کا حاصل کیا ہے؟۔

چھٹویں: اس وجہ سے کہ اگر صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم گنہگار بھی تھے تو گنہگار پر لعنت کرنی درست نہیں ہے؛ کیونکہ شیعہ اور اہل سنت و جماعت دونوں کا متفق علیہ مسئلہ ہے کہ گناہِ کبیرہ کے اِرتکاب سے ایمان سلب نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے:

وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِکَ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ وَالْمُؤْمِنَاتِ ... (سورۂ محمد: ۱۹/۴۷)

یعنی اپنے گناہوں اور مسلمان مردوں اور مسلمان عورتوں کے گناہوں کی بخشش کی دعا مانگا کرو۔ (۱)

اور یہ شارع کا حکم صریح ہے کہ مومن گناہ کرے تو اس کے لیے اِستغفار کرو، اس پر لعنت نہ کرو، پس شیعوں کے اصول کے مطابق بھی اِستغفار کا حکم کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ اس پر لعنت نہ کی جائے (جو ممنوع شرعی ہے) کیونکہ مسلمان اگر گناہ کرنے سے کافر ہو گیا تو اس کے لیے اِستغفار ہی جائز نہیں ہے!۔

---

(۱) اعلیٰ حضرت امام اہل سنت قدس سرہ العزیز اس کا محتاط ترین ترجمہ یہ کرتے ہیں: 'اور اے محبوب! اپنے خاصوں اور عام مسلمان مردوں اور عورتوں کے گناہوں کی معافی مانگو'۔ (کنز الایمان)

ساتویں: اس وجہ سے کہ عہد آدم علیہ السلام سے اس وقت تک ابلیس سے بڑھ کر مردودِ بارگاہ اور ازلی شقی نہ کوئی ہوا نہ ہوگا حالانکہ اس پر بھی لعنت کرنا ثواب نہیں ہے، پھر یہ کیسے تعجب کی بات ہے کہ ابلیس جیسے فردِ شقی اور ابولہب جیسے کفار پر لعنت کرنی ثواب نہ ہو اور صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر لعن وتبرا کرنا ثواب عظیم ہو!۔

آٹھویں: اس وجہ سے کہ ابلیس یا کسی مستحق لعنت پر کوئی عمر بھر لعنت نہ کرے تو اس سے یہ پوچھا جانے کا ڈر نہیں ہے کہ تم نے فلاں پر لعنت کیوں نہیں کی۔ جب کہ لعنت کرنے والے سے پرسش ہوگی کہ فلاں آدمی تو لعنت کا مستحق نہ تھا تم نے کیوں لعنت کی، بہر حال سکوت اولیٰ ہے۔

نویں: اس وجہ سے کہ یہود، نصاریٰ، مجوس، ہنود غرض دنیا کے کسی مذہب میں گالی دینا ثواب نہیں بتایا گیا ہے۔ یہ عمدگی اور ایسی اچھی عبادت شیعوں ہی کے مذہب میں ہے۔

دشنام بمذہبے کہ طاعت باشد ☆ مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

دسویں: اس وجہ سے کہ ہم کو علمائے شیعہ یہ بتا دیں کہ کہیں اللہ اور اس کے رسول نے یہ حکم دیا ہے کہ تم فلاں فلاں پر لعنت کیا کرو۔ اور جب ایسا نہیں ہے تو وہ کس بنا پر لعن صحابہ کو باعث فلاح سمجھتے ہیں!۔ ہمارے نزدیک تو یہ عین زندقہ اور کفر صریح ہے؛ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے کفار پر بھی لعنت کرنے کا حکم نہیں دیا؛ چہ جائیکہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیہم وسلم پر۔

گیارھویں: اس وجہ سے کہ اہل سنت وجماعت اور شیعہ دونوں میں یہ حدیث روایت کی گئی ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے: مُردوں کو برا نہ کہو کہ انہوں نے جو کچھ برا بھلا کیا تھا اپنے کیے کو پہنچ گئے۔(۱)

---

(۱) صحیح بخاری:۱۹۶/۵حدیث:۱۳۰۶......سنن نسائی:۱۲/۷حدیث:۱۹۱۰......صحیح ابن حبان:۳۷/۱۳ حدیث:۳۰۸۵۔الفاظِ حدیث یہ ہیں:لا تسبوا الأموات فإنهم قد أفضوا إلى ما قدّموا.

بارھویں: اس وجہ سے کہ شیعہ اور خوارج دو متضاد فرقے ہیں۔ شیعہ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات پر لعن وتبرا کرتے ہیں اور بظاہر حضرت علی اور اہل بیت کی محبت میں نغمہ سرائی کرتے ہیں۔ نواصب ہیں کہ حضرت علی اور اہل بیت پر لعن طعن وتبرا کرتے ہیں اور بظاہر صحابہ کرام اور ازواجِ مطہرات کے مدح سرا بنتے ہیں۔ (اور دراصل دونوں راہِ راست سے بھٹکے ہوئے ہیں)

شیعہ، صحابہ کرام پر لعنت کریں تو اہل سنت اس کا دندان شکن جواب نہیں دے سکتے۔ مگر نواصب فوراً اہل بیت اور حضرت علی پر لعنت کر بیٹھیں گے۔ (معاذ اللہ منہا) پس در اصل گویا شیعہ خود اہل بیت کو گالی دیتے ہیں؛ کیونکہ نہ وہ کسی کے معتقد علیہم کو گالی دیں، نہ اپنے پیشواؤں کی نسبت گالی سنیں۔ جیسا کہ سنیوں کے فرقۂ ناجیہ کا مذہب ہے کہ وہ کسی کو گویا کیسا ہی ہو گالی نہیں دیتے، نہ ان کے مذہب میں برا بھلا کہنا باعث ثواب ہے؛ مگر شیعوں کا تو یہ حال ہے کہ آپ بکشادہ پیشانی صحابہ کرام اور ازواج مطہرات پر تبرے بازی کرتے ہیں، ان کو گالی دیتے ہیں، نامعقول خطابات سے یاد کرتے ہیں اور جہاں کسی نے مجبور ہو کر ان کے پیشواؤں کی نسبت کچھ کہہ دیا تو لگتے ہیں رونے کہ ہم تو مظلوم ہیں، ہم پر ہمیشہ سے ظلم ہوتا آیا ہے!۔

اگر مظلوم ہو تو کیا مظلوم تبرے بازیاں کرتے پھرتے ہیں۔ نہ دوسرے کو گالی دو، نہ گالی سنو؛ مگر تم لوگ تو دنیا اوپر ظالم ہو۔

آں چہ زخم زبان کند با مرد
زخم شمشیر جان ستان نہ کند

اب ذرا ناظرین اس دلیل کو بھی سنیں جس سے شیعہ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین پر لعنت کرنے کا جواز ثابت کرتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود اُسامہ کا لشکر درست فرمایا، اپنے ہاتھ سے علم

(جھنڈا) کو درست کیا، خود لشکر کو رخصت کر کے صحابہ کو نام بنام اُسامہ کی ماتحتی میں تعینات فرمایا اور آخر وقت تک تاکید کرتے رہے اور بار بار فرماتے رہے :

جهزوا جيش أسامة لعن الله من تخلف عنها .

یعنی اُسامہ کے لشکر کی تیاری کرو، جو شخص اس کے لشکر سے تخلُّف کرے اس پر خدا کی لعنت ہو۔

اور کچھ شبہ نہیں کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما نے اس کے خلاف کیا اور اس لعنت کے مستحق ہوئے جو رسول اللہ نے خلاف کرنے والوں پر بار بار کی تھی اور شیعہ اسی کی تقلید کرتے ہیں۔

یہ طعن ابوبکر و عمر پر کس وجہ سے قائم کیا جاتا ہے، آیا اس وجہ سے کہ آپ نے بعہد رسول اللہ کے تجہیز لشکر سے اِعراض کیا یا اس وجہ سے کہ خود شریک نہیں ہوئے؟۔

اگر یہ طعن اس معنی کر کے وارد ہوتا ہے کہ آپ نے تجہیز لشکر سے اِعراض کیا تو صریح غلط ہے۔ اس **واقعہ کی تفصیل** یہ ہے کہ چھبیسویں صفر کو دوشنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو حکم دیا کہ رومیوں کے ساتھ جنگ کرنے اور زید بن حارثہ کا بدلا لینے کے لیے جنگ کی تیاری کریں۔ سہ شنبہ کے دن اسامہ بن زید کو سردارِ لشکر بنایا۔ اٹھائیس صفر کے دن آپ بیمار ہوئے؛ مگر باوجود بیمار ہونے کے اپنے ہاتھ سے لشکر اسامہ کے لیے علَم بنایا اور ارشاد فرمایا کہ اللہ کا نام لے کر اللہ کی راہ میں قدم مارو اور کافروں سے قتال کرو۔

اُسامہ وہ مبارک جھنڈا لے کر باہر آئے۔ بریدہ بن الحصیب اسلمی کو لشکر کا علم بردار بنا کر جھنڈا ان کے ہاتھ میں دیا اور آگے بڑھ کر ایک مقام جرف میں پہنچ کر ٹھہر گئے تا کہ سب لشکر جمع ہو جائے تو کوچ کریں۔ ادھر اعیان مہاجر و انصار ابوبکر صدیق، عمر بن خطاب، عثمان ذوالنورین، سعد بن ابی وقاص، ابوعبیدہ بن الجراح، سعید بن زید، قتادہ بن النعمان اور سلمہ بن اسلم رضی اللہ عنہم اجمعین نے روانگی کا تہیہ کر کے اپنا اپنا ڈیرہ خیمہ سے باہر کیا،

اور اس جگہ سے کوچ کرنا چاہتے تھے کہ چہار شنبہ کے دن قریب رات کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری بہت زیادہ بڑھ گئی اور شہر بھر میں تہلکہ مچ گیا، جمعرات کو عشا کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو نماز عشا پڑھانے کے لیے امام کیا اور اس پیش نمازی کی خدمت پر آپ کو مامور فرما دیا۔

جب ربیع الاوّل کی دسویں تاریخ آئی، شنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مرض میں اِضافہ ہو گیا جو لوگ اُسامہ کی ہمراہی کے لیے متعین ہوئے تھے وہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے رخصت ہو کر باہر آئے۔ اسامہ کو بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بغل میں لے کر ان کے حق میں دعاے خیر کی اور روانگی کی اجازت دے کر دوبارہ رخصت فرما دیا۔

یک شنبہ کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری پہلے سے زیادہ خطرناک ہو گئی اس سے اسامہ اور لشکریانِ اسامہ نے پھر توقف کیا۔ دوشنبہ کے دن اسامہ یہ خیال کر کے کہ آنحضرت ﷺ نے اس مہم پر جانے کے لیے تاکید فرمائی تھی کوچ کرنا ہی چاہتے تھے کہ اسامہ کی ماں ام ایمن کا قاصد یہ خبر لے کر پہنچا کہ پیغمبر خدا ﷺ نزع کی حالت میں ہیں۔

اس وحشت اثر خبر سننے کے بعد اسامہ اور تمام صحابہ گرتے پڑتے آستانۂ نبوت کی طرف پھرے اور بریدہ بن حصبہ نے لشکر کا جھنڈا لا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرۂ مبارک کے سامنے قائم کر دیا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوئی۔ ابو بکر صدیق باجماع امت مسند خلافت پر متمکن ہوئے۔ آپ نے حکم دیا کہ جھنڈا لے جا کر اُسامہ کے دروازہ پر کھڑا کر دو اور بریدہ کو حکم دیا کہ اُسامہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر لشکریوں کو جمع کرے۔ الغرض! اُسامہ نے لشکر سمیت کوچ کر کے موضع جرف میں پہلی منزل کی۔ اسی اثنا میں مدینہ منورہ سے خبر آئی کہ بعض قبائل عرب مرتد ہو گئے۔ اور مدینہ پر تاخت تاراج کرنا

چاہتے ہیں۔

صحابۂ کرام نے جمع ہو کر خلیفہ وقت صدیق اکبر سے عرض کیا کہ اس وقت اسامہ کا لشکر سمیت بھیجنا قرین مصلحت نہیں ہے؛ کیونکہ ممکن ہے مدینہ کو خالی پا کر اَعرابِ عرب شورش کریں اور فتنہ عظیم برپا ہو۔ خلیفہ وقت نے جواب دیا کہ لشکر اسامہ کے بھیجنے سے اگر اپنے مارے جانے کا یقین بھی ہو تو فرمانِ رسول کی خلاف ورزی کبھی نہ کروں گا۔

اس گفتگو کے بعد خلیفہ نے اسامہ سے درخواست کی کہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو یہاں رہنے کی اجازت دے دیں تاکہ مدینہ کی محافظت میں اور شورش کے دفع کرنے میں وہ ہماری شرکت کریں۔ غرض! اسامہ کی اجازت سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ مدینہ میں واپس آئے، اور اسامہ نے پہلی ربیع الثانی کو کوچ کر دیا۔ یہی واقعہ ہے جو روضۃ الصفا، روضۃ الاحباب اور حبیب السیر وغیرہ سنی وشیعہ دونوں کی کتب معتبرہ میں موجود ہے۔

اور اگر اس وجہ سے ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما پر اِعتراض وارد ہوتا ہے کہ اُسامہ کی رفاقت نہیں کی، تو اس کے چند عمدہ جواب ہیں۔

اوّل: یہ کہ رئیس وقت جب کسی کو لشکر میں تعینات کرے اور پھر اپنی خدمتوں میں سے کسی دوسری خدمت پر مامور کر دے تو یہ ماموری صریح دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ اس شخص کو لشکر کے تعیناتیوں میں سے موقوف کر دیا اور ان میں سے اس ایک کو مستثنیٰ کر لیا اور پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔ بعینہٖ یہی حال ابوبکر صدیق کا ہوا؛ اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اوّلِ بیماری میں اس لشکر کو جدا کر کے اُسامہ کے ساتھ جانے پر متعین فرمایا، پھر جب آپ کا مرض بڑھ گیا، اسامہ اور اس کے ہمراہیوں نے کوچ میں توقف کیا تو خود رسول اللہ ﷺ نے ان متعینانِ لشکر میں سے ابوبکر کو منتخب کر کے امامت نماز میں اپنا نائب کیا، اور اس مہم پر ابوبکر کو مشغول کر دیا، یہاں تک کہ آپ نے انتقال فرمایا۔ پس ابوبکر رضی اللہ عنہ کی تعیناتی خود رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں موقوف ہو چکی تھی اور رسول اللہ ﷺ کی

وفات بعد آپ کا جانا نہ جانا دونوں برابر تھا۔

شریعت سے ثابت ہے کہ ابتداے جہاد فرض کفایہ ہے اور لشکر اسامہ کی تجہیز بھی اسی قبیل سے تھی، پس بالخصوص لشکر کے ساتھ ابو بکر کے نہ جانے میں کوئی قباحت لازم نہیں آتی؛ کیونکہ مدینہ منورہ سے کفار اور مرتدوں کے فتنہ کا دفع کرنا فرض تھا۔ پس ابو بکر نے فرض کفایہ کو ترک کر کے فرض عین کو اَدا کیا اور یہی حکم شرعی ہے۔ خصوصاً جبکہ تمام لشکر ابو بکر کی تجہیز و تحریض سے لڑنے کے لیے گئے تو ان سب کا ثواب بھی آپ کی طرف عائد ہوا، لا جرم یہ فرض کفایہ بھی آپ ہی کے جریدۂ اعمال میں ثابت ہوا۔

دوم: یہ کہ جنگ و جہاد کے لیے لوگوں کو متعین کرنا یہ کچھ وحی اور احکام منزل من اللہ میں سے نہیں ہے بلکہ ایسے امورِ سیاست مدنی سے تعلق رکھتے ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتقال فرمایا، سیاست مدن ابو بکر رضی اللہ عنہ سے متعلق ہوگئی۔ اور اب یہ باتیں ان کے ہاتھ میں اور ان کی صلاح سے وابستہ ہوگئیں کہ جس کو چاہیں اسامہ کے ہمراہ روانہ کریں، جس کو چاہیں اپنے حضور میں رکھیں اور خود چاہے نکلیں یا نہ نکلیں۔

اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک بادشاہ اپنے لشکر کو کسی طرف جنگ میں جانے کے لیے متعین کرے اور اثناے تہیہ سفر میں خود سفر آخرت کر جائے تو اب جو بادشاہ اس کا قائم مقام ہوگا، اس کو اختیار ہے کہ بادشاہِ سابق کے بعض تعیناتیوں کو اپنے حضور میں رہنے دے؛ کیونکہ وہ اسی میں ملک و دولت کی صلاح و بہبود دیکھتا ہے اور اس قدر تصرف کرنے میں نہ بادشاہِ اوّل کی مخالفت لازم آتی ہے اور نہ اس کی نافرماں برداری؛ کیونکہ مخالفت تو اس وقت ہوتی جب اس کے مقرر کیے ہوئے امیر کی جگہ دوسرا سردار مقرر کیا جاتا یا اس کے دشمنوں سے مصالحت کر لی جاتی؛ حالانکہ ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایسا کوئی کام نہیں کیا۔

حاصل یہ کہ اُمورِ جزئیہ اور ملک و دین کے مصالح وقتیہ' رئیس وقت کی صواب دید

سے ہوتے ہیں اور ایسے امور میں اپنی عقل ورائے سے تصرف کر جانا جائز ہے اور پیغمبر ﷺ کا حکم ایسے اُمور میں قطعاً وحی اور بابِ تشریع سے نہیں ہے۔

سوم: یہ کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رحلت کے بعد ابوبکر رضی اللہ عنہ کا منصب دوسرا ہوگیا، وہ اپنے پہلے منصب ہی پر قائم نہیں رہے۔ پہلے عام مومنین کے زمرے میں تھے اب خلیفہ رسول اللہ ہوئے، اور پیغمبر کی جگہ پر جلوہ افروز ہوئے اور منصب بدل جانے کے بعد احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ جیسے لڑکا جب بالغ ہو تو جو احکام بالغ کے ہیں وہ اس پر جاری ہوں گے۔ اسی طرح مجنون جب اچھا ہوجائے، مقیم جب مسافر ہو، اور مسافر جب اِقامت کرلے، غلام جب آزاد ہوجائے، رعیت جب حاکم ہوجائے، فقیر جب تونگر ہوجائے، تونگر جب فقیر ہوجائے، جنین جب ماں کے پیٹ سے پیدا ہوجائے، زندہ جب مرجائے وغیرہ وغیرہ۔

پس ناظرین غور فرمائیں کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ جب پیغمبر کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے تو آپ کو اُسامہ کے ساتھ جانا کیا ضرور تھا؛ اس لیے کہ پیغمبر خود اگر زندہ ہوتے تو کبھی اُسامہ کے ساتھ نہ جاتے اور نہ ساتھ جانے کا اِرادہ رکھتے تھے۔

البتہ لشکر کا سامان کرنا اور اس کا روانہ کرنا بے شک ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ذمہ واجب ہوا؛ کیونکہ یہ پیغمبر ﷺ کا کام تھا اور اس کام کو پیغمبر ﷺ کے سچے خلیفہ امیر المومنین صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے خوب انجام دیا۔

چہارم: یہ کہ اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ بالفرض ابوبکر صدیق اُسامہ کے ساتھ جانے ہی پر مامور تھے، پیغمبر کے اِستخلافِ نماز سے وہ مستثنیٰ نہیں ہوسکتے، مہماتِ خلافت کا شغل خطیر، مدینہ اور ناموسِ رسول کی محافظت بھی عذرِ معقول نہیں ہوسکتی تو غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ ابوبکر کی عصمت میں خلل آجائے اور آپ معصوم نہیں رہیں گے تو بھی کوئی حرج نہیں ہے؛ کیونکہ امامت کے لیے معصوم ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ عدالت ضروری ہے۔ اور

عدالت میں دو ایک گناہِ صغیرہ کے کرنے سے نقصان نہیں آتا۔

ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ بالا جماع فاسق نہیں تھے اور نہ شیعہ و سنی کسی کی کتاب وروایاتِ صیحہ سے یہ ثابت ہے کہ ابو بکر رضی اللہ عنہ سے عہد اسلام میں کوئی کبیرہ گناہ سرزد ہوا ہو۔

پنجم: یہ کہ یہ دو ایک مطاعن جو حضرات شیعہ ابو بکر و عمر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم پر اہل سنت و جماعت کی روایتوں سے ثابت کرتے ہیں، اوّل تو وہ ثابت نہیں ہیں اور بالفرض اگر ثابت بھی ہوں تو (اہل انصاف) کو چاہیے کہ سنیوں کی ان تمام روایتوں کو جو ابو بکر اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے مناقب وفضائل اور بشاراتِ عالیہ میں وارد ہیں (جن کو ان شاء اللہ ہم دم چار یار کے دوسرے حصہ میں لکھیں گے) اور جو ان کے فضائل وغیرہ آیات کریمہ اور احادیث صیحہ اور اقوال ائمہ سے ثابت ہیں اور جن میں سے بعض روایات کتب شیعہ میں بھی مندرج ہیں، ایک پلہ ترازو میں رکھیں اور ان چند مطاعن کو ترازو کے دوسرے پلہ میں جگہ دیں پھر تول کر دیکھیں کون پلہ بھاری ہوتا ہے اور کس قدر بھاری ہوتا ہے، اس وقت سنیوں کے روبرو ذرا نگاہ اونچی کر کے جواب دیں!۔

ششم: یہ کہ شیعوں کے نزدیک پیغمبر کا حکم وجوب کے واسطے مقرر نہیں ہے جیسا کہ علامہ مرتضیٰ شیعی نے اپنی کتاب الدررو الغرر میں بدلائل منصوصہ ثابت کیا ہے۔ پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابو بکر کو اُسامہ کے ساتھ جانے کے لیے حکم بھی فرمایا ہو اور آپ نہ گئے ہوں تو بھی کوئی خلل لازم نہیں آتا؛ کیونکہ ممکن ہے یہ حکم ندب واِستحباب کے واسطے ہو اور مندوب اَمر کا ترک کرنا گناہ و معصیت نہیں ہے۔

اس حدیث میں ایک جملہ لعن اللّٰہ من تخلف عن جیش أسامة بھی بقول شیعوں کے روایت کیا گیا ہے جس کو شیعہ برہان قاطع سمجھتے ہیں اس امر پر کہ صحابہ کرام پر لعنت کرنا چاہیے۔اس جملہ کے معنی یہ ہیں کہ 'جو اُسامہ کے لشکر سے تخلّف کرے اس پر اللہ کی لعنت ہو۔

پس واضح ہو کہ یہ جملہ 'لعن اللّٰہ من تخلف عنھا' ہرگز ہرگز اہل سنت و جماعت کی

کسی معتبر کتاب میں نہیں ہے؛ چنانچہ علامہ شہرستانی نے الملل والنحل میں لکھا ہے :

إن هذه الجملة موضوعة مفتراة .

یعنی یہ جملہ بنایا ہوا اور جھوٹ اِفترا ہے۔

ہاں ! بعض فارسی نویسوں نے جو اپنے زعم باطل میں اپنے کو محدثین اہل سنت شمار کرتے تھے سنیوں پر اِلزام قائم کرنے کے لیے اپنی سیر میں یہ جملہ لکھ دیا ہے، اور ایسے بنے ہوئے سنیوں کا لکھ دینا ہمارے الزام کے لیے کافی نہیں ہے؛ اس لیے کہ اہل سنت میں وہی حدیث معتبر سمجھی جائے گی جو مقبول ائمہ، اور محدثین کی مستند مسانید میں موجود ہو، نیز وہ موافق اصولِ حدیث کے صحیح ہو، پس حدیث بے سند گوزِشتر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی۔

الغرض! اگر یہ جملہ حدیث رسول مان بھی لیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اُسامہ کو تنہا چھوڑنا اور اس مہم سے پہلو تہی کرنا حرام ہے۔ سو معلوم ہے کہ جب حضرت ابوبکر خدمت 'امامت پر متعین ہوئے ان سب باتوں سے مستثنٰی ہو گئے'۔

دوسرے: یہ کہ جملہ 'لعن الله من تخلف' میں لفظ مَن موافق اصول شیعہ کے عام ہے چنانچہ مقدمۂ کنز العرفان میں مقداد شیخ الشیعہ نے لکھا ہے :

'والفاظ العموم كل وجميع ومتى ومن وما .

یعنی 'کل' اور 'جمیع' اور 'متی' اور 'من' اور 'ما' یہ سب الفاظ عموم ہیں۔

تو جب لفظ مَن عام ٹھہرا کہ مسلمانوں میں کا جو شخص جیش اسامہ سے تخلُّف کرے اس پر اللہ کی لعنت ہے تو اس صورت میں نہ صرف ابوبکر وعمر پر بلکہ حضرت علی اور کل اہل اسلام پر لعنت کرنا ثواب ہو جائے گا جو اس وقت موجود تھے۔ پس یہ وعید ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ خاص نہ ٹھہری بلکہ علی رضی اللہ عنہ وغیرہ سب لوگ اس میں شریک ہو جائیں گے۔

پس اَب شیعہ جو جواب حضرت علی کی طرف سے دیں، وہی جواب ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں اہل سنت و جماعت کی طرف سے قبول فرمائیں۔

ہاں! اگر شیعہ یہ فرمائیں کہ یہ وعید وعتاب ان لوگوں کے ساتھ خاص ہے جو اُسامہ کے لشکر کے ساتھ جانے کے لیے متعین تھے تو ہم کہتے ہیں کہ جهزوا جيش أسامة (اُسامہ کے لشکر کا سامان کرو) صرف متعینانِ لشکر کی طرف خطاب نہیں ہوسکتا؛ اس لیے کہ لشکر اسامہ ہی سے یہ فرمانا کہ لشکر اسامہ کو درست کرو کلام بے معنی ہوجائے گا، پس ضرور ہوا کہ خطاب عام ہو اور جب خطاب عام ہوا تو حضرت علی وغیرہ سب اس وعید میں شامل ہیں۔

تیسرے: یہ کہ شیعوں کے مذہب میں بدلائل منصوصہ ثابت ہے کہ حضرت آدم اور حضرت یونس علیہما السلام نے بلا واسطہ خدا کے حکم کے خلاف کیا اور سخت نافرمانی کی اور جب پیغمبروں نے صریح حکم خدا کے خلاف کیا تو امام نے بھی اگر رسول کے ایک حکم کو نہ مانا تو کون سی قباحت ہے؛ اس لیے کہ امام رسول کا نائب ہے اور نائب چاہے کتنا ہی بہتر ہو اصل سے کم ہی ہوگا۔

چوتھے: یہ کہ بفرضِ محال اگر یہ مان لیا جائے کہ جملہ 'لعن اللّٰه من تخلف' صحیح ہے اور حضرت نے ان لوگوں پر لعنت کی تو غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم پر لعنت کی تو پھر آپ کو لعنت کرنے کا کیا منصب ہے!۔

کچھ رسول اللہ ﷺ نے آپ کو حکم تو نہیں دیا کہ اے شیعو! تم میرے صحابہ پر لعنت کرو۔ اور جب حکم نہیں دیا تو حکم رسول ﷺ کا بجالانا کیونکر ہوا۔ مع ہذا عقل سلیم تجویز نہیں کرتی کہ پیغمبر گالی کا حکم دے۔

دوسری فصل

شیعہ کہتے ہیں کہ سنی لوگ اہل بیت رسول کے جانی دشمن ہیں، ان سے بغض وعداوت رکھتے ہیں اوران کو برا بھلا کہتے ہیں؛ حالانکہ یہ سنیوں پر صریح بہتان و اِفترا ہے، جس کا کہیں نام ونشان نہیں، نہ کوئی اَثر ہے۔ سنیوں کا تو یہ مذہب ہے کہ جس طرح صحابۂ کرام اورازواجِ مطہرات کی محبت اوران کا اَدب دین داری کا جزوِاعلی ہے، اہل بیت رسول اللہ ﷺ کی محبت اوران کے ساتھ خالص عقیدت رکھنا بھی جزوِ ایمان ہے اور یہ ہماری کتب معتبرہ سے واضح ہو جائے گا۔

خوارج ونواصب' اہل بیت رسول پر لعن وتبرا کرنا باعثِ فلاح سمجھتے ہیں، اورروافض' ازواجِ مطہرات وصحابہ کرام پر لعنت کرنا اوران کو برا بھلا کہنا ذریعۂ نجات جانتے ہیں۔ اور ہیں دونوں بھٹکے ہوئے، اوراہل سنت وجماعت دونوں کے نزدیک مطعون ہیں۔

سنیوں کے مذہب میں تو کسی کو برا بھلا کہنا اچھا نہیں چہ جائیکہ ذریعۂ نجات ہو!۔

لطیفہ: ایک شیعہ نے سنی سے کہا کہ جو باتیں ہمارے مذہب میں ہیں وہی سب تمہارے مذہب میں بھی ہیں۔ سنی نے کہا جی ہاں! سب ہے، سَبّ (گالی) نہیں، یعنی سب بات ہے، گالی نہیں ہے۔

یہ ہم نے مانا کہ **باغِ فدک** چھن گیا، علی کی امامت زبردستی غصب کر لی گئی، باوجود علی کے بہادر اورشیر خدا ہونے کے ان کی ہر طرح کی فضیحتی اور رسوائی کی گئی، ہم نے مانا کہ حضرت علی نے حضرت عائشہ سے بغاوت کی اور کفر کیا، پھر تو اے شیعو، اوراے خوارج! اب ان لوگوں کو گالی دینے سے کیا فائدہ تم لوگ اٹھا سکتے ہو؟ سوا اس کے کہ تم ان کے پیشواؤں پر لعنت کرو، وہ تمہارے پیشواؤں پر لعنت کریں، دنیا میں فضیحت ہو، اپنے کیے کی سزا بھگتو، اوردین کی روسیاہی مول لو۔

لطیفہ: ایک شیعہ صاحب نے خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم پر لعن وتبرا کیا۔ سنیوں نے مار پیٹ سے خبر لی۔ پولس نے مقدمہ چلایا۔ مقدمہ پیش ہوکر سنیوں کے موافق فیصل ہوا، اوران بد زبان شیعوں کی سزا ہوگئی۔

سزا یافتہ لوگوں کی طرف سے ججی میں اپیل ہوئی۔ مقدمہ بحال رہا۔ تب شیعوں نے ہائی کورٹ میں دوسری اپیل کی، حکام ہائی کے سامنے مجرم کے وکیل نے ایک لمبی چوڑی تقریر کی جس کا ماحصل یہ ہے کہ سرکار کسی مذہب میں دخل نہیں دیتی اور صحابہ پر (جو سنیوں کے پیشوا ہیں) لعن وتبرا کرنا شیعوں کے مذہب میں داخل ہے؛ اس لیے اگر انھوں نے ایسا کیا تو کوئی جرم نہیں کیا بلکہ اپنے فرائض مذہبی کو اَدا کیا۔

عادل مگر ذکی الطبع جج ہائی کورٹ نے اپنی تجویز میں یہ معقول وجہ تحریر فرمائی کہ کسی کو گالی دینا اگر شیعوں کی مذہبی بات اور باعث فلاح ہے تو اس کا اَجران کو عقبیٰ میں ملے گا؛ مگر ہندوستان میں تو ان کو تعزیراتِ ہند کے مطابق اپنی نالائقی کا خمیازہ اُٹھانا پڑے گا؛ اس لیے فیصلہ عدالت ماتحت بحال کیا جاتا ہے۔

یہ جو **شیعہ** سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ محرم میں خوشیاں مناتے ہیں اور امام حسین کے قتل کی خوشی میں عشرۂ محرم کو سرمہ لگاتے ہیں اور خوش ہوتے ہیں وغیرہ، کس قدر مہمل تقریر، بہتان، افتراے محض اور تمام تر فرقۂ سَنِیّہ ناجیۂ سُنّیہ کے خلاف ہے۔

اوّلاً: تو بڑے تماشے کی بات یہ ہے کہ ہم خود اہل بیت رسول کو برا کہنے والوں کی تفسیق کرتے ہیں، ان کی محبت کو جزوِ ایمان قرار دیتے ہیں اور حضرات شیعہ فرماتے ہیں کہ نہیں تم غلط کہتے ہو، تم اہل بیت کے دشمن ہو، تم ان سے عداوت رکھتے ہو اور تم ان کو برا کہتے ہو!۔

یہ بالکل ویسی ہی بات ہے کہ ایک شخص اپنے کو مسلمان کہے اور اس سے کہا جائے کہ نہیں تو کافر ہے، پس ہم اگر شیعہ حضرات سے کہیں کہ آپ اہل بیت نبی کے دشمن ہیں جیسا

کہ رسالہ السیف المسلول (مصنفۂ مولانا عبدالسمیع بنارسی حنفی معروف بہ 'حافظ گھسیٹا') میں انھیں کی معتبر کتابوں سے ثابت کیا گیا ہے بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ گو آپ اپنے کو مسلمان کہتے ہیں؛ مگر آپ دراصل مسلمان نہیں ہیں تو حضرات شیعہ برا نہ مانیں گے!۔

اگر کسی عامی سنی نے جہالت یا نادانی یا کسی مجبوری کی وجہ سے اہل بیت رسول ﷺ میں سے کسی کو برا کہہ دیا تو کافۂ اہل سنت پر اس کا اِلزام نہیں عائد ہوسکتا، نہ سنیوں کا سواد اعظم اس کا جواب دِہ ہے اور نہ سنیوں کا مذہب اس کا ذمہ دار ہے۔ ہاں! اگر حضرات شیعہ ہماری معتبر حدیث کی کتابوں میں، فقہ کی کتابوں میں، عقائد کی کتابوں میں، یا تفسیر کی کتابوں میں کہیں یہ دکھا دیں کہ اہل بیت رسول کو برا کہا گیا ہو، یا برا کہنے کی ہدایت کی گئی ہو تو البتہ ہم اور ہمارا مذہب جواب دہ ہے!۔

اہل سنت و جماعت ہرگز محرم میں قتل حسین کی خوشی نہیں کرتے۔ یہ آپ ہی لوگوں کا شیوہ ہے کہ جناب فاروق اعظم اور عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہما جیسے صحابۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی خوشیاں مناتے پھرتے ہیں اور ان دنوں میں عید کرتے ہیں۔ اہل سنت و جماعت تو سخت سے سخت کفار کے واصل جہنم ہونے کی بھی خوشی نہیں کرتے، بھلا امام حسین ایسے جگر گوشۂ رسول کے شہید ہونے پر کیوں کر خوشی منا سکتے ہیں!۔ ایسی لغو، لاطائل، عبث اور بیہودہ باتیں آپ ہی کے مذہب کو مبارک ہوں۔

شیعہ محرم کے دس دن امام حسین کے غم میں عورتوں کی طرح منہ ڈھانک کر روتے ہیں، بین کرتے ہیں، روتے ہیں، چلاتے ہیں، ہر سال نئے نئے طبع زاد مرثیے یا یوں کہیے کہ اہل بیت رسول کا فضیحتا تصنیف کر کے مومنین پاک کو رلایا جاتا ہے اور یہ رونا رلانا صحابہ پر لعنت و تبرا کرنا ذریعۂ نجات سمجھا جاتا ہے۔ لطف تو یہ ہے کہ **تعزیہ داری جیسی بت پرستی** کو بھی دین داری میں شمار کرتے ہیں اور آیت: 'مَا هٰذِهِ التَّمَاثِيْلُ الَّتِىْٓ اَنْتُمْ لَهَا عٰكِفُوْنَ'، پر کچھ خیال نہیں کرتے۔ بلا شک اہل سنت و جماعت اس رونے دھونے کو پسند

نہیں کرتے نہ ان زنانے مزخرفات کو وہ جائز سمجھتے ہیں کہ یاد کرکے روئیں اور رونا نہ آئے تو بن کر روئیں!۔

اِنسان پر اگر بزرگوں کے مصائب اور ان کے قتل یا موت پر رونا ثواب ہوتا یا مذہبی اَمر ہوتا تو اس کو رونے ہی سے فرصت نہ ملتی اور دنیا اس پر تنگ ہو جاتی۔ ہمارے لیے سب سے بڑی مصیبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دنیا سے اُٹھ جانا تھا، حالانکہ آپ کو یاد کرکے کوئی شیعہ صاحب دو آنسو نہیں بہاتے!۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیارے چچا حضرت حمزہ سید الشہداء کس بے دردی سے قتل کیے گئے، آپ کے مارے جانے کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کس قدر بیان سے باہر رنج ہوا؛ لیکن نہ آپ روئے، نہ رونے رلانے کا حکم دیا۔ ہاں! خود بخود دل پر غم طاری ہو تو آنسو کا بہنا مضائقہ نہیں، نہ یہ کہ زبردستی رویا جائے اور رونے رلانے کے لیے غلط اور موضوع مراثی تصنیف کرکے اہل بیت رسول کی بی بیوں کا فضیحتا کیا جائے۔

محرالحرام کا مہینہ کچھ جناب امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی وجہ سے مبارک نہیں ہوگیا ہے، یہ مہینہ اس وقت سے اللہ تعالیٰ نے مبارک فرمادیا جب زمین وآسمان بنائے جیسا کہ سورۂ توبہ میں فرمایا کہ 'سال کے ہم نے بارہ مہینے بنائے اور ان میں پاک چار مہینے ہیں'۔اس مہینے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم روزے رکھتے تھے اور اس خوشی میں کہ اللہ تعالیٰ نے اسی مہینے میں حضرت موسیٰ کو فرعون پر غالب کیا، خوشی مناتے تھے۔ پس اگر سنی لوگ خوشی بھی مناتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید کرتے ہیں، کچھ امام حسین کی شہادت کی خوشی نہیں کرتے!۔

عورتوں کو البتہ حکم ہے کہ اپنے شوہر کے مرنے پر چار مہینے سوگ کریں اور اس سوگ میں اپنی زینت وآرائش چھوڑ دیں، نہ کسی سے ملیں، نہ سرمہ لگائیں، نہ عمدہ کپڑے پہنیں؛ مگر مردوں کو نہیں سنا گیا کہ کسی کے سوگ میں عورتوں کی طرح سوگ میں بیٹھیں، بیوہ عورت

کی طرح سرمہ سے پرہیز کریں، پان نہ کھائیں، بال پریشان رکھیں؛ مگر شیعوں میں شاید یہ سب کچھ ہے اور اسی لیے وہ سب سنیوں پر اعتراض کرتے ہیں کہ وہ محرم میں سرمہ کیوں لگاتے ہیں، کیوں نہیں امام حسین کا غم کرتے ہیں!۔

شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر غنیۃ الطالبین میں یہ لکھا بھی کہ عشرۂ محرم میں سرمہ لگانا جرم نہیں تو انھیں وجہوں سے ہوگا کیوں کہ؛

اوّلاً: تو غم میں بھی سرمہ لگانا ممنوعاتِ شرعیہ سے نہیں ہے۔

ثانیاً: یہ کہ محرم میں سرمہ لگانا، پان کھانا، سرخ کپڑے پہننا، یہ سب مباحات شیعوں میں حرام ہو جاتے ہیں؛ اس لیے سید جیلانی نے بغرض تنبیہ تحریر فرمایا تا کہ آگے چل کر کسی زمانے میں سنی بھی ایسا ہی نہ کرنے لگیں اور جس اَمر کو شریعت نے مباح کیا ہے اس کو حرام سمجھنے لگیں۔

ثالثاً: یہ کہ محرم کے مہینے میں سرمہ لگانا اور خوشی کرنا شعارِ اسلام ہے نہ اس وجہ سے کہ امام حسین قتل ہوئے۔ کیونکر!، یہ سمجھ کر خوشی کرنا بالضرور فسق عظیم ہے بلکہ اس وجہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خوشی کی اور ان دنوں میں روزے رکھے۔

پرچۂ اِصلاح کے ایڈیٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ 'شیعہ جو ابوبکر و عمر وغیرہ پر لعنت کرتے ہیں وہ خدا اور رسول کا حکم بجالاتے ہیں' اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے کہ تم ابوبکر و عمر پر لعنت کرو تو شیعہ مہربانی کر کے ہم کو ایک بھی ایسی آیت دکھلا دیں جس میں اللہ نے یہ حکم دیا ہو کہ ابوبکر و عمر پر لعنت کرو **فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَالَّتِیْ وَقُوْدُھا النَّاسُ وَالْحِجَارَۃُ** .

شاید اس کا جواب شیعوں کی طرف سے ہم کو یہ ملے کہ یہ قرآن جو تمہارے ہاتھوں میں ہے وہ اصلی قرآن کب ہے! کیونکہ اصلی قرآن تو ہمارے خیالی اور موہوم اِمام مہدی کے ساتھ ہے جو دشمنوں کے ڈر کے مارے سرداب سر من رأی میں بیٹھے ہیں!۔

واقعی شیعوں کا یہ اعجاز نما جواب ہے جس سے اہل سنت ساکت ہی تو ہو جاتے ہیں لیکن اکابر علمائے شیعہ کے اقوال اگر سچے ہیں کہ صحابہ خصوصاً عثمان بن عفان نے قرآن کو سرتاپا محرف کر دیا تو شیعہ ناحق اپنے دعووں پر قرآن سے سند لاتے ہیں اور عبث نماز میں قرآن کی آیات پڑھتے ہیں۔

خیر! ان باتوں سے قطع نظر کر کے اگر اصلاح کے ایڈیٹر صاحب یہ فرمائیں کہ قرآن میں سیکڑوں مقامات پر ظالمین و کافرین پر لعنت کی گئی ہے اور چونکہ صحابہ اور ابوبکر و عمر ظالم (یا بقول بعض کافر) تھے؛ اس لیے ان پر بھی لعنت عائد ہوئی۔

جواب: تو کیوں ایڈیٹر صاحب! آپ تو صاحب علم و فضل ہیں اور –ماشاء اللہ– ذہین و ذکی بھی ہیں۔ بھلا یہ تو فرمائیے کہ خدا نے ظالم و کافر پر لعنت تو کی ہے؛ مگر کیا یہ بھی فرمایا ہے کہ تم لوگ بھی لعنت کیا کرو؛ کیونکہ حکم خدا کا بجالانا تو اسی وقت کہا جائے گا جب اللہ حکم فرمائے کہ تم لعنت کرو اور لعنت کی جائے۔ یہ تو ہماری دلیل ہو سکتی ہے کہ باوجود اتنے کفرانِ نعمت کے اللہ تعالیٰ نے کسی کافر پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں دی اور آپ ہیں کہ اس کے رسول کے صحابہ پر لعنت کرنے کو ثواب سمجھتے ہیں!!۔

دوسرے: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے عام ظالموں اور کافروں پر لعنت کی ہے، خاص خاص اَفراد پر لعنت نہیں کی ہے، تو چاہیے کہ آپ بھی اسی طرح عام ظالموں اور کافروں پر لعنت بھیجئے۔ جو ظالم و کافر ہو گا لعنت کے تحت میں آجائے گا، خواہ آپ کے زعم میں ابوبکر و عمر ہوں یا بزعم خوارج علی ہوں۔ اور حدیث کا حوالہ جو ایڈیٹر صاحب نے دیا ہے کہ 'شیعہ خدا اور رسول کا حکم بجالاتے ہیں' وہ وہی حدیث لعن اللّٰہ من تخلف عنھا ہے جس کی قلعی ہم بخوبی کھول چکے ہیں۔

پھر اسی پرچہ میں ایڈیٹر صاحب کتب خانہ اسکندریہ کے جلانے کا اِلزام عمر فاروق کے سر تھوپتے ہیں۔ یہ پرانا اعتراض ہے جو مسیحی مورخین مسلمانوں پر کرتے آتے ہیں۔ ایڈیٹر

صاحب نے بھی اپنے کو انھیں لوگوں میں داخل کر لیا۔

فی الوقت ہم اس کا جواب دینا نہیں چاہتے؛ کیونکہ ہمارے ہم عصر علامہ شبلی نعمانی اعظم گڈھی نے اپنے رسائل شبلی میں اچھی طرح اس دعوے کو رد کر دیا ہے اور مخالفین اہل اسلام کا خوب منہ توڑا ہے۔

لطیفہ: قاضی مولانا عطا رسول عباسی چریا کوٹی اور نواب تاج الدین حسین خان کمبوہ شیعہ میں بہت زیادہ اتحاد تھا۔ اتفاقاً ایامِ سردی میں محرم پڑا۔ نواب صاحب نے بلحاظ مروّت گوارا نہیں کیا کہ قاضی ممدوح ان کی مرتب کی ہوئی مجلس عزا میں شریک نہ ہوں۔ چونکہ قاضی کو اس سے پہلے کسی مجلس ماتم میں شریک ہونے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، مجلس کے رواسم و آداب سے قطعاً ناواقف تھے، چنانچہ قاضی سرخ رنگ کا دوشالہ اوڑھ کر مجلس عزا میں تشریف لے آئے۔

نواب صاحب تو کچھ نہ بولے؛ مگر اُن کے ایک منہ لگے مصاحب نے کہا کہ واہ صاحب واہ! آپ جیسا متین و عقلمند آدمی شہدائے کربلا کی مجلس ماتم میں شاہدانِ طناز کا سرخ لباس پہن کر رونق افروز ہو؟۔

قاضی نے عذر کیا اور فرمایا کہ قطع نظر اس کے کہ ہمارے مذہب میں یہود و نصاریٰ کی طرح رنج و خوشی کے اِظہار میں رنگ و بو کو مطلق دخل نہیں ہے۔ ظاہر ہے کہ میں ابھی مرتبہ خانی کو نہیں پہنچا ہوں، نہ لباسِ نوابی پہن سکتا، یہی ایک دوشالہ ہے جس کو ہر فصل اور مجلس میں استعمال کرتا رہتا ہوں، اور چونکہ میں آپ کے دیار کے رسم و رواج سے واقف بھی نہیں ہوں، مجھ کو تخطیہ سے معاف رکھیے۔

معترض مصاحب بجائے اس کے کہ چپ ہو جاتا غصہ میں آ کر بولا کہ ہاں ہاں، اب تو قاضی پاجی کا زمانہ ہے، کیوں نہ کہو گے!۔

قاضی صاحب نے جواب دیا: بے شک اگر جناب کا اِرشاد جھوٹ نہیں تو اللہ کا شکر ہے

کہ ہم آپ دونوں فروغ پر ہیں؛ کیوں کہ میں تو قاضی ہی ہوں۔

نواب صاحب یہ لطیفہ سن کر بے ساختہ ہنس پڑے، اور مصاحب کو ڈانٹ پلائی۔

(دوسرا لطیفہ) مولوی محمد یوسف شیعہ اور حافظ محمد مصطفیٰ چریا کوٹی سے مناظرہ ہوا۔ مولوی یوسف نے دعویٰ کیا کہ ہمارے بارہ اماموں کو علم غیب حاصل تھا، وہ علوم اولین وآخرین سب جانتے تھے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا: اگر یہ صحیح ہو تو خود تمھیں کو سخت مشکل پیش آئے گی؛ کیوں کہ امام حسین علیٰ نبینا وعلیہ السلام جب مدینہ منورہ سے شام کی طرف بغرض جنگ چلے تو آیا اُن کو اپنے مارے جانے کا علم غیب تھا یا نہیں، اگر نہیں تھا تو تمھارا دعویٰ غلط اور اگر اپنے مارے جانے کا اُن کو علم تھا تو شہادت ثابت نہ ہوگی؛ کیوں کہ جان بوجھ کر انھوں نے اپنے کو ہلاکت میں ڈالا جو تمام تر فریقین کے خلاف ہے۔

(تیسرا لطیفہ) مولوی اصغر علی صاحب کے دادا سنی المذہب تھے۔ ان کے باپ شیخ علی بخش شیعوں کی صحبت میں پڑ کر شیعہ ہوگئے اور مولوی اصغر علی صاحب مولانا احمد علی چریا کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کے چشمہ درس وفیضان سے سیراب ہو کر پھر سنیوں کے سوادِ اعظم میں داخل ہوگئے۔

ناصر علی خان ذوالقدر بہادر مولوی اصغر علی کے گاڑھے دوست تھے۔ ایک روز مجلس احباب گرم تھی۔ ذوالقدر بہادر نے مولوی اصغر علی سے مذاق کے طور پر فرمایا کہ بھائی! تمھاری دوستی سے جی کھٹکتا ہے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کیوں؟۔

ذوالقدر بہادر نے کہا: اس لیے کہ آپ نے مہربان باپ کے طریقۂ مرضیہ کو چھوڑ دیا، وہ شیعہ مذہب کے سچے پیرو تھے، آپ نے سنت پدری کو چھوڑ کر سنا یا مذہب اختیار کیا۔

مولوی صاحب نے ہنس کر جواب دیا کہ نہیں، ذوالقدر بہادر! آپ نے غلطی کی، میں نے تو ہرگز باپ کی تقلید نہیں چھوڑی۔ ملاحظہ فرمایئے کہ میرے دادا پکے سنی تھے، میرے باپ نے اپنے باپ کے مذہب کو چھوڑا تو میں نے اپنے باپ کے مذہب کو خیر باد

کہہ دیا، یہ تو عین باپ ہی کی تقلید ہوئی!۔

اصلاح کے ایڈیٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ شیعوں کی تحریر ہمیشہ متانت اور سنجیدگی کو لیے ہوتی ہے اور سنیوں کی تحریر کبھی گالی گلوج سے خالی نہیں ہوتی۔

ایڈیٹر صاحب کا یہ فرمانا بالکل واقعہ کے خلاف بلکہ بدیہی البطلان ہے۔ انصاف والے خوب سمجھتے ہیں کہ جن لوگوں کے مذہب میں گالی دینا ثواب ہو اُن کی تحریر وتقریر میں متانت اور سنجیدگی ہو ہی نہیں سکتی، بالکل محال ہے۔

(چوتھا) لطیفہ: ۱۲۵۳ھ میں علامہ علی عباس چریاکوٹی رحمہ اللہ کا گزر لکھنو میں ہوا۔ انھیں ایام میں مولوی امین اللہ بن مولانا اکبر فرنگی محلّی کا انتقال ہوا تھا۔

شیعوں نے بغض کی راہ سے 'مٹی خراب' مولوی مرحوم کی وفات کا مادۂ تاریخ ڈھونڈ نکالا اور اس پر خوب مضحکے اُڑائے۔

ایک مجلس میں علامہ علی عباس چریاکوٹی اور مولانا حامد حسین مجتہد شیعہ اکٹھا ہوئے۔ اثنائے گفتگو میں مولوی امین اللہ مرحوم کی وفات کا ذکر آیا تو مجتہد صاحب نے مسکرا کر فرمایا کہ آپ نے سنا نہیں، اُن کی وفات کا کیا اچھا مادۂ تاریخ 'مٹی خراب' ہاتھ آیا ہے۔

یہ سن کر علامہ چریاکوٹی نے جواب دیا کہ وہ تو ٹھیک ہے؛ لیکن آپ لوگوں کی عقل جو اُلٹی ہے؛ اس لیے عبارت بھی اُلٹی سمجھ میں آئی۔ ارے حضرت! وہ مٹی خراب نہیں ہے، **مَاتَ بِخَیْرٍ** عربی جملہ ہے۔

مولوی مرحوم کے اس بدیہی اور سرعت انتقال ذہنی پر کل حاضرین دنگ ہو گئے۔

یعنی آپ کی بات میں لطیف نکتہ یہ تھا کہ مٹی خراب اور مات بخیر میں حروف بالکل برابر اور یکساں ہیں، صرف اُلٹ پھیر کا فرق ہے۔

دوسرا باب

شیعہ –ھداھمُ اللہ– کے اُصولِ مذہب میں سے یہ ایک بڑا اُصول ہے کہ امامت کا حصر بارہ اماموں میں ہے اور بارہ وہ عدد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ تمام اعداد پر اس کو فضیلت دی اور اسی کو اسلام کے فرقۂ ناجیہ (یعنی شیعہ) نے اختیار کیا۔ صاحب حبیب السیر، مؤلف کشف الغمہ اور کمال الدین محمد بن طلحہ –کفر اللہ عن سیآتھم– اکابر علماے شیعہ نے اس دعویٰ پر فی الجملہ سات مضبوط دلیلیں پیش کی ہیں۔

دلیل اوّل

دین اسلام کی بنا فقط دو کلموں پر ہے: لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور ان دو کلمات میں سے ہر کلمہ میں بارہ بارہ حروف ہیں، پس چاہیے کہ امر امامت بھی جو فروعِ ایمان سے ہے بارہ اماموں میں منحصر ہو۔

دوسری دلیل

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں بارہ سردار تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے:

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِىْ اِسْرَائِيْلَ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَىْ عَشَرَ نَقِيْبًا. (سورۂ مائدہ: ۱۲/۵)

(ترجمہ) بے شک اللہ نے بنی اسرائیل کا عہد لیا اور ان میں سے بارہ سردار اٹھائے۔

تیسری دلیل

یعقوب علیہ السلام کی اولاد بارہ تھی جو بنی اسرائیل کہلاتے ہیں اور انھیں میں سے حضرت موسیٰ پیغمبر ہوئے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

وَ اِذِ اسۡتَسۡقٰی مُوۡسٰی لِقَوۡمِهٖ فَقُلۡنَا اضۡرِبۡ بِعَصَاکَ الۡحَجَر فَانۡفَجَرَتۡ مِنۡهُ اثۡنَتَا عَشۡرَةَ عَيۡنًا قَدۡ عَلِمَ كُلُّ اُنَاسٍ مَّشۡرَبَهُمۡ .

(سورۂ بقرہ:٢/٦٠)

(ترجمہ) اور جب موسیٰ نے اپنی قوم کے لیے پانی کی درخواست کی تو ہم نے فرمایا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو (لاٹھی پتھر پر مارنا تھا) کہ بارہ چشمے پھوٹ نکلے (اور) سب لوگوں نے اپنا اپنا گھاٹ معلوم کرلیا۔

چوتھی دلیل

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں بارہ انصار کو نقابت پر متعین فرمایا تھا پس ضرور ہے کہ اماموں کی عدد بھی اتنی ہی ہو۔

پانچویں دلیل

جس طرح آفتاب و ماہتاب اَبصار خلائق کے رہنما ہیں اسی طرح طریقۂ محسوسہ کے راستے پر امام، قلوب وعقول کا رہنما ہوتا ہے، پس جس طرح چاند سورج کے انوار کے مقامات بارہ بروج ہیں اسی طرح نور امامت کا ظہور بھی بارہ اماموں میں چاہیے۔

چھٹویں دلیل

دنیا کے بعض مصالح زمانہ کے محتاج ہیں۔ زمانہ عبارت ہے دن اور رات کی گھڑیوں سے اور دن ورات جب اِعتدال پر ہوں تو ہر ایک بارہ بارہ گھنٹوں کا ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ انتظام عالم بغیر امام عادل کے نہیں ہوسکتا، پس اماموں کا بارہ عدد میں محصور ہونا بھی لازم آیا۔

ساتویں دلیل

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِی كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْض . (سورۂ توبہ:۹/۳۶)

(ترجمہ) جس دن خدا نے آسمان وزمین پیدا کیے ہیں (تب ہی سے) خدا کے یہاں مہینوں کی گنتی کتاب اللہ میں بارہ مہینے (لکھی چلی آتی) ہے۔

الجواب

یہ تو خوب دلیل ہے کہ لا الہ الا اللہ میں بارہ حروف ہیں اس لیے بارہ امام کا ہونا بھی لازم آیا۔ اُمید تو یہ ہے کہ ایسی مزخرف دلیل پر طفلانِ دبستان منطق ہنس دیں گے اور ہمارے ناظرین نے تو مارے ہنسی کے منہ پر رومال رکھ لیا ہو تو عجب نہیں!۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل میں ضرور بارہ سردار تھے، اس پر ہمارا ایمان ہے اور بے شک حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے؛ لیکن اس سے یہ کہاں لازم آتا ہے کہ اُمت محمدیہ کے بھی بارہ ہی امام ہوں۔ ہمارے علمائے شیعہ پہلے اس لزوم کو تو ثابت کرلیں!۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لیلۃ العقبہ میں ضرور بارہ انصار کو نقابت پر متعین فرمایا تھا؛ مگر بڑے تماشے کی بات یہ ہے کہ بارہ نقیبوں کے متعین فرما دینے سے بارہ اماموں کا حصر کہاں لازم آتا ہے!۔

دوسرے: یہ کہ اگر یہ اِستلزام تسلیم بھی کرلیا جائے تو شیعوں کو چاہیے کہ انھیں بارہ نقیبوں کو اپنا امام تسلیم کرلیں جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین فرمادیا تھا۔ دوسروں کو امام بنانے کی تکلیف کیوں گوارا کرتے ہیں۔

سبحان اللہ! رسول اللہ ﷺ تو مقرر کریں دوسروں کو اور آپ لوگ اپنا امام غیروں کو فرض کیے لیتے ہیں!۔

تیسرے: یہ کہ جن انصار کو رسول اللہ ﷺ نے نقابت پر متعین فرمایا ان کو علماے شیعہ -ھداھم اللہ- خود اچھا نہیں سمجھتے؛ اس لیے ان کی دلیل انھیں کے مذہب کے رو سے مردود ہے۔

چوتھے: یہ کہ ان بارہ انصار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نقابت پر متعین فرمایا اس بنا پر شیعہ امامت کو بارہ اماموں میں منحصر کرتے ہیں؛ مگر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امام بنایا اور خود اِقتدا کر کے ان کے پیچھے نماز پڑھی، تو یہ کوئی چیز ہی نہیں!، حالانکہ یہی امامت ابو بکر کی روشن دلیل تھی اور اسی وجہ سے علی رضی اللہ عنہ نے بہ طیب خاطر جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بیعت قبول کر لی۔

پھر جیسا کہ علماے شیعہ فرماتے ہیں کہ 'اُسامہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سردارِ لشکر بنایا اور اس کے لشکر کا علم اپنے ہاتھ سے درست فرمایا' تو واجب تھا کہ انھیں بارہ امام میں سے اسامہ کو بھی قرار دیتے اور علی رضی اللہ عنہ پر انھیں مقدم کرتے۔

لیلۃ العقبہ میں بارہ انصار کا نقیب مقرر کیا جانا جب اس امر کی دلیل ہے کہ امامت بارہ اماموں میں منحصر ہو تو جناب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں امام مقرر کر کے خود آپ کے پیچھے نماز پڑھی اور انھیں ایام میں اسامہ رضی اللہ عنہ کو سردارِ لشکر بنایا، اس بنا پر یہ کیوں نہ کہا جائے کہ یہ دونوں امام برحق تھے اور امامت دو ہی اماموں میں منحصر ہے۔

یہ جو شیعوں کے دلائل ہیں کہ آسمان پر بارہ بروج ہیں؛ اس لیے بارہ امام چاہیے۔
دن اور رات کے بارہ بارہ گھنٹے ہوتے ہیں؛ اس لیے بارہ ہی اماموں کا ہونا ضروری ہے۔
سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں؛ اس لیے بارہ اماموں پر حصر ہونا چاہیے۔

واقعی یہ ایسے دلائل قاطعہ ہیں کہ بے اختیار شاباش کہنے کو جی چاہتا ہے!۔

تو اے حضرات ناظرین! آسمانوں کی تعداد سات ہے، ساتوں آسمان پر سات ستارے ہیں، پس چاہیے کہ امام بھی سات ہوں۔ اللہ ایک ہے تو امام ایک ہی کیوں نہ ہو۔ پیغمبر ایک لاکھ چوبیس ہزار گزرے ہیں، پھر اماموں کی تعداد بھی اتنی کیوں نہ ہو!!!۔

اگر کلمہ طیبہ کے دونوں جز دن کا بارہ بارہ حروف پر مشتمل ہونا، یعقوب علیہ السلام کے بارہ اولاد ہونا، بنی اسرائیل میں بارہ سرداروں کا ہونا اور دن ورات کا بارہ بارہ گھنٹے تقسیم ہونا یہی دلائل ہیں اس امر کے کہ امامت بارہ اماموں میں منحصر ہے تو واجب تھا کہ انبیا بھی بارہ ہوتے؛ کیوں کہ ان سے بڑھ کر امام عادل ومعصوم کون ہوسکتا تھا، حالانکہ نہ بارہ نبی ہوے، نہ بارہ سو نبی ہوے، نہ بارہ ہزار نبی ہوے، نہ بارہ لاکھ نبی ہوئے۔ یہ تو عجیب خرافات اور واہیات دلائل ہیں!۔

اِمامت سے تو ہم آخر میں بحث کریں گے، اس وقت اتنا چاہتے ہیں کہ بارہ کی عدد اگر چہ ایک حد تک پسند ہے؛ لیکن نہ اتنا جتنا کہ چار کا عدد ہے۔

چار: کا تو وہ عدد ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے پسند فرمایا۔ اپنے اکثر احکام چار ہی عدد میں منضبط رکھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کو فضیلت دے کر اپنے لیے چار خلیفے منتخب فرمالیے۔ حکما وفلاسفہ اہل منطق سب نے چار ہی کو برگزیدہ جانا۔

اور انھیں پر کیا منحصر ہے دنیا کی ہر قوم اور ہر مذہب میں یہی عدد مبارک سمجھا گیا ہے اور فطرت نے اسی عدد کو افضلیت بخشی۔ یہ ہمارا دعویٰ ہے اور ہم اپنے دعویٰ پر **ایک سو دس** (۱۱۰) دلیلیں پیش کرتے ہیں اور ایسی مضبوط دلیلیں جو کسی طرح رد نہیں کی جاسکتیں!۔

ہم دعویٰ سے کہتے ہیں کہ ان دلائل سے بہتر اور بدیہی دلائل پیش کرنے ہمارے فریق مخالف کے اِمکان سے باہر بات ہے۔ فقط

ہاں! معزز ناظرین! اکابر علماے شیعہ (کفر اللہ عن سیآتھم) بے انتہا کوششیں کرنے کے بعد صرف سات دلیلیں بارہ کی فضیلت پر پیش کر سکے۔ ہم نے ان دلائل میں سے ہر ایک دلیل کو ردی کر کے ثابت کر دکھایا کہ ایسے دلائل سے جو أوھن من بیت العنکبوت (یعنی مکڑی کے جال سے بھی زیادہ کمزور) ہیں بارہ اماموں کی امامت پر سند لانا بناے باطل بر باطل ہے۔ اب دیکھیے کہ شیعوں کے اسی اصول کی بنا پر ہم کیسے براہین قاطعہ پیش کرتے ہیں جو رد ہو ہی نہیں سکتے!۔

پس اگر شیعوں کے وہ سات دلائل صحیح ہیں اور ان حضرات کے اِعتقاد میں انھیں دلیلوں سے امامت کا بارہ اماموں میں منحصر ہونا ثابت ہو جاتا ہے تو ہمارے ان براہین کو انصاف کی نظر سے ملاحظہ فرمائیں، پھر اگر ان کے سات دلائل سے بہتر و بدیہی ہوں تو اپنے اعتقاداتِ ردیہ سے باز آجائیں اور ہمارے دعویٰ کو تسلیم کر لیں کہ بے شک چار' بارہ سے افضل ہے، اور چاروں خلفاے اسلام رضوان اللہ علیہم اجمعین برحق اور قابل اتباع تھے، ان کو برائی کے ساتھ یاد کرنا فسق عظیم ہے۔

پہلی دلیل

'لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ' میں سواے دو لفظ اللہ اور محمد کے کل الفاظ زائد ہیں۔ نجات اُخروی اور فلاح دنیوی دو ہی ذاتوں کے ماننے پر موقوف، وہ دونوں ذات اللہ اور محمد ہیں اور ان دونوں میں سے ہر ایک میں چار چار حرف ہیں۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں جن میں سے بہتر نام چار حرفی ہیں۔

دوسری دلیل

قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام 'محمد' بتایا گیا ہے اور انجیل و توریت

میں 'احمد' کے نام سے پیشین گوئی کی گئی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قول منقول ہے: **یَأتِیْ مِنْ بَعْدِی اسْمُهٗ اَحْمَد**۔ (سورۂ صف:۶/۶۱) **احمد اور محمد** دونوں میں **چار** ہی چار حروف ہیں۔

تیسری دلیل

قرآن مجید جو آخری کتاب آسمانی اور تمام دوسری آسمانی کتابوں اور صحیفوں اور ملتوں کا ناسخ ہے اس میں بھی **چار** ہی حروف ہیں۔

چوتھی دلیل

دنیا میں ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیا مبعوث ہوئے جن میں **چار** نبی سریانی تھے: (۱) حضرت آدم (۲) حضرت شیث (۳) حضرت ادریس (۴) حضرت نوح علیہم السلام۔

پانچویں دلیل

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں **چار** ہی پیغمبر عربی النسل تھے: (۱) حضرت ہود (۲) حضرت صالح (۳) حضرت شعیب (۴) حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔

چھٹویں دلیل

ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبروں میں صاحب کتاب اور صاحب شریعت رسول **چار** ہی گزرے ہیں: (۱) حضرت داؤد (۲) موسیٰ (۳) عیسیٰ (۴) محمد عربی علیہم السلام۔

ساتویں دلیل

آسمانی کتاب **چار** ہی ہیں: (۱) زبور جو حضرت داؤد کو عطا کی گئی (۲) توریت جو حضرت موسیٰ کو ملی (۳) انجیل جو حضرت عیسیٰ نے پائی (۴) قرآن جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا۔

آٹھویں دلیل

بارہ کا عدد اس لیے مبارک سمجھا گیا ہے کہ اس میں بارہ اماموں کی امامت محصور ہے تو ایک لاکھ چوبیس ہزار کے عدد اور بھی مبارک ہوں گے؛ کیوں کہ اس میں انبیا علیہم السلام کی نبوت محصور ہے؛ لیکن بڑے لطف کی بات ہے کہ ایک لاکھ چوبیس ہزار کا سا مبارک عدد بارہ پر تقسیم نہیں ہوتا اور **چار** پر ٹھیک تقسیم ہو جاتا ہے؛ پس **چار** کا عدد بارہ کے عدد سے بہتر و افضل ٹھہرا؛ اسی لیے اہل سنت و جماعت کا مقبول مذہب ہے کہ خلفاے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت اور اِمامت برحق اور قابل فخر ہے۔

نویں دلیل

قرآن میں ہے :

فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ .

(سورۂ نساء:۴/۳)

(ترجمہ) تو تم اپنی مرضی کے مطابق دو دو اور تین تین اور **چار چار** عورتوں سے نکاح کرلو۔

قرآن مجید میں دوسرے مقام پر فرمایا ہے :

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ . (سورۂ ذاریات:۵۱/۵۶)

(ترجمہ) میں نے جنات اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا تا کہ وہ میری عبادت کریں۔

انسان کی پیدائش عبادت الٰہی کے واسطے ہے، اور پیدائش منحصر ہے توالد وتناسل پر اور توالد وتناسل موقوف ہے نکاح پر اور نکاح کو اللہ تعالیٰ نے چار عددوں پر محصور کر دیا ہے؛ اسی لیے فرقۂ سنیہ کہتا ہے کہ خلافت حقہ اور امامت راشدہ انھیں چاروں خلفاے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین میں محصور و منحصر ہے، گو ان چاروں کے سواے اور خلفاے اسلام رحمہم اللہ کی خلافت بھی بجاے خود جائز تھی۔

دسویں دلیل

اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْراً فِی كِتَابِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ فَلاَ تَظْلِمُوْا فِیْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ . (سورۂ توبہ:۹/۳۶)

یعنی جس دن خدا نے زمین وآسمان پیدا کیے ہیں مہینوں کی گنتی کتاب اللہ میں بارہ مہینے لکھی چلی آتی ہے، جن میں سے چار مہینے پاک (امن عام کے) ہیں۔ دین تو یہ ہے، تو (مسلمانو) ان چار مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرنا۔

ف میں اِس مقام پر چند باتیں عرض کر دینا چاہتا ہوں :

اوّل: یہ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس دن ہم نے زمین وآسمان پیدا کیے، اسی دن سال کے مہینے تو بارہ قائم کیے؛ مگر امن عام کے پاک مہینے چار ہی رکھے۔

اس آیت سے صاف اور بدیہی طور پر معلوم ہوگیا کہ اللہ تعالیٰ نے چار کو بارہ پر فضیلت دی۔ اس کو مبارک بنایا اور فرما دیا کہ ان چار مہینوں میں ظلم و جور نہ کرنا، پس چار خلفاے اسلام علیہم السلام کی افضلیت سواے انبیا معصومین کے کل بنی آدم پر ثابت ہوگئی جس طرح چار مہینوں کی افضلیت باقی مہینوں پر ہے اور وہ چاروں پاک مہینے ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام اور رجب ہیں۔

دوسرے: یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ یہ فرما دیا ہے کہ جن بارہ رجال کو شیعہ ائمہ معصومین تسلیم کرتے ہیں وہ اگر چہ صالح تھے؛ مگر ائمہ راشدین اور قابل اتباع وہی چاروں خلفاے رسول اللہ ہیں جن کو اہل سنت و جماعت مانتے ہیں اور درحقیقت یہی دین حق ہے، پس ان چار ارکان اسلام کو برا بھلا کہہ کر اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور اپنی عاقبت خراب نہ کرو۔ فقط.

ناظرین! قرآن کے الفاظ و معانی پر نظر ڈالیں پھر ہماری اِس برہان کی داد دیں۔

تیسرے: علماے شیعہ -ہداہم اللہ- نے آیت کا ایک جز لے کر تو تالیاں بجانے لگے کہ اللہ نے بھی کتاب میں بارہ ہی مہینے کی گنتی رکھی ہے، پس امام بھی بارہ ہی ہونا چاہیے اور آدھی آیت جن میں چار کی افضلیت اور ان کے منشا کے خلاف بات تھی کھا گئے اور اس کا ذکر تک نہیں کیا (دیکھو مناقب مرتضوی)

وہی مثال کہ ایک بے نمازی صاحب سے نماز پڑھنے کے لیے کہا گیا تو فرمانے لگے کہ قرآن میں تو منع لکھا ہے کہ نماز کے قریب نہ جاؤ اور فوراً **لاتقربوا الصلوۃ** پڑھ دیا۔ ناظرین اس دیانت داری پر نظر کریں!۔

چوتھے: ناظرین! شیعوں کی پانچویں چھٹویں اور ساتویں دلیل کو غور سے پڑھیں اور پھر ہماری نویں اور دسویں دلیل پر توجہ کی نظر ڈالیں۔

گیارہوں دلیل

فَسِیۡحُوۡا فِی الۡاَرۡضِ اَرۡبَعَةَ اَشۡهُرٍ . (سورۂ توبہ:۹/۲)

امن عام کے چار مہینے ملک میں چلو پھرو۔

سال کے بارہ مہینے ہوتے ہیں؛ مگر اللہ تعالیٰ نے چار ہی مہینوں کو پسند فرمایا۔

بارہویں دلیل

مَـنۡ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰهُ عَلَیۡهِمۡ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ . (سورۂ نساء:۴/۶۹)

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا ہے یعنی انبیا اور صدیقین اور شہدا اور صالحین۔

ف آیت کا ماحصل یہ ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کریں گے وہ دوسرے عالم میں رسول، صدیقین، شہدا اور صالحین کے ساتھ ساتھ رہیں گے کہ انھیں لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات سے مالا مال کیا ہے، پس خدا نے بھی اپنے بندوں میں سے **چار** ہی قسم کے لوگوں کو منتخب فرمایا اور عجب لطف کی بات یہ ہے کہ رسول، صدیق، شہید اور صالح چاروں الفاظ میں **چار** ہی **چار** حروف ہیں۔

تیرہویں دلیل

لِـلَّـذِیۡـنَ یُؤۡلُوۡنَ مِنۡ نِّسَآئِهِمۡ تَرَبُّصُ اَرۡبَعَةِ اَشۡهُرٍ فَاِنۡ فَآءُوۡ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَحِیۡمٌ . (سورۂ بقرہ:۲/۲۲۶)

جو لوگ اپنی بی بیوں کے پاس جانے کی قسم کھا بیٹھیں ان کو چار مہینے کی مہلت

ہے (پھر اس مدت میں) اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

ف جس طرح خداوند عالم الغیب نے نکاح کو **چار** ہی عورتوں پر محدود رکھا اسی بنا پر اِیلا کے لیے بھی **چار** ہی مہینوں کی مہلت رکھی۔

چودھویں دلیل

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُھَدَآءَ فَاجْلِدُوْھُمْ ثَمَانِیْنَ جَلْدَةً . (سورۂ نور:۲۴/۴)

اور جو لوگ پاک دامن بی بیوں پر تہمت لگائیں اور چار گواہ نہ لاسکیں تو ان کو اَسّی کوڑے مارو۔

ف جو لوگ مسلمان عورتوں کو زنا کی تہمت لگائیں ان کو ثبوت میں **چار** گواہ پیش کرنے کا حکم ہے اور اگر **چار** گواہ نہ لاسکیں تو ان کی سزا اسّی درّہ ہے اور یہ اسّی بھی ایسا ہی عدد ہے جو چار پر بیس مرتبہ میں پوری طرح تقسیم ہو جاتا ہے۔

یہ آیت منافقین کی شان میں نازل ہوئی جنہوں نے محبوبۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جناب عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جھوٹی تہمت باندھی تھی اور آخر اپنی سزا کو پہنچے۔ یہ منافقین کا گروہ جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا دشمن تھا اَب تک چلا آتا ہے، پہلے بھی اپنے کو ظاہر میں مسلمان کہتے تھے، اوراب اِسلام کے لباس میں ظاہر ہوتے ہیں۔

بہر رنگیلہ خواہی جامہ می پوش
من انداز قدت را می شناسم

پندرہویں دلیل

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ . (سورۂ نور:۲۴/۲۶)

گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہوتی ہیں اور گندے مرد گندی عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔ اور پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے ہوتے ہیں۔

ف (۱) گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے (۲) گندے مرد گندی عورتوں کے لیے (۳) پاک عورتیں پاک مردوں کے لیے (۴) اور پاک مرد پاک عورتوں کے لیے۔ یہ کل **چار** قسمیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمائی ہیں۔

یہ آیت من جملہ ان آیاتِ قدسیہ سے ہیں جو حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شان اور آپ کی مدح وثنا میں نازل ہوئی ہیں۔ پھر اس آیت میں اللہ تعالیٰ جناب عائشہ کی عصمت اور پاکی کو اس طرح بیان فرماتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاک ہیں اس لیے جناب صدیقہ رضی اللہ عنہا بھی ضرور پاک ہیں؛ کیوں کہ پاک مردوں کے لیے پاک ہی عورتیں ہیں۔ گندی عورتیں گندے مردوں کے لیے ہیں۔ پاک مرد کا جوڑا گندی عورت ہو ہی نہیں سکتی۔

اَفسوس ہے کہ حضرات شیعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایسی محترم بی بی جناب صدیقہ کو جن کی تعریف خود اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اور جو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے بدرجہا افضل تھیں بُرے اَلفاظ سے یاد کرتے ہیں اور ذرا بھی زوجۂ نبی علیہ السلام کے احترام کا پاس نہیں کرتے اور اتنا بھی نہیں خیال کرتے کہ آخر رسول اللہ ﷺ کی حرم محترم تھیں!۔

سولھویں دلیل

وَاللّٰهُ خَلَقَ كُلَّ دَآبَّةٍ مِّنْ مَآءٍ فَمِنْهُمْ مَّنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْنِ وَمِنْهُمْ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ .

(سورۂ نور: ۲۴/ ۴۵)

اور اللہ تعالیٰ نے تمام جانداروں کو پانی سے پیدا کیا پھر ان میں بعض وہ ہیں جو اپنے پیٹ کے بل چلتے ہیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو دو پاؤں پر چلتے ہیں اور بعض ان میں سے وہ ہیں جو چار پاؤں پر چلتے ہیں۔

ف آخر میں اللہ تعالیٰ نے اس جانور کا ذکر کیا جو **چار** پاؤں پر چلتا ہے اور مسلم ہے کہ سب سے آخر سب سے اچھا ہوتا ہے۔

سترہویں دلیل

وَاِذْ قَالَ اِبْرَاهِیْمُ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَ لَمْ تَوْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ یَأتِیْنَکَ سَعْیًا . (سورۂ بقرہ:۲/۲۶۰)

(ترجمہ) جب ابراہیم نے خدا سے درخواست کی کہ اے میرے پروردگار! مجھ کو دکھا کہ تو مردوں کو کیوں کر زندہ کرے گا۔ خدا نے فرمایا کیا تم کو یقین نہیں؟ عرض کیا کیوں نہیں؛ مگر تا کہ میرے دل کو اطمینان ہو جائے۔ فرمایا تو چار پرندہ لو اور ان کو اپنے پاس منگواؤ (اور بوٹی بوٹی کر ڈالو) پھر ایک ایک پہاڑی پر ان کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دو، پھر ان کو بلاؤ تو وہ تمہارے پاس دوڑے چلے آئیں گے۔

ف حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ مجھ کو یہ دکھا دے کہ تو قیامت میں کیوں کر مردوں کو زندہ کر دے گا۔ خدا نے پوچھا کیا تم کو میری اس قدرت پر اعتماد نہیں ہے؟۔

ابراہیم علیہ السلام نے عرض کیا، ایمان تو ہے مگر دل کا اطمینان چاہتا ہوں۔ تب خدا نے فرمایا کہ **چار چار** چڑیوں کو لو، ان **چاروں** کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالو پھر ایک ایک پہاڑی پر ایک ایک بوٹی رکھ کر ان کو بلاؤ تو سب زندہ ہو کر آپ سے آپ دوڑتے چلے آئیں گے۔

چنانچہ حضرت ابراہیم نے ایسا ہی کیا اور **چاروں** زندہ ہوگئے۔ حضرت ابراہیم کے اطمینان خاطر کے لیے **چار** ہی پرندوں پر یہ عمل کرنا اس عدد کے پسندیدہ ہونے پر دال ہے۔

ف علمائے تفسیر میں اختلاف ہے کہ وہ **چاروں** پرندے کون کون سے تھے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی روایت میں طاؤس، مرغ، کبوتر اور کوا بتایا گیا ہے۔ بعض نے کوے کی جگہ گدھ بتایا ہے۔ بعض روایتوں میں کبوتر، کوا، مرغ اور بط ہیں۔ اور بعض روایات میں ہے کہ سبز بط، سیاہ کوا، سفید کبوتر اور سرخ مرغ تھا۔

ان **چاروں** پرندوں کی بوٹی بوٹی کرنے اور پھر زندہ کرنے میں یہ اشارہ ہے کہ جب تک شہوات وزخارف کم سے کم مغلوب نہ ہو جائیں، نفس کو حیاتِ ابدی حاصل نہیں ہوسکتی اور پرندوں کو تمام حیوانات میں خاص کرنے کا یہ سبب ہے کہ خواص حیوانی میں پرندے ہی انسان سے بہت زیادہ قریب ہیں۔

ان پرندوں میں بعض حلال ہیں یعنی کبوتر اور بعض حرام ہیں یعنی کوا۔ اور انھیں پرندوں میں بعض ممسوخ ہیں یعنی طاؤس اور بعض محبوب ہیں جیسے کبوتر اور مرغ۔ پھر انھیں چاروں میں بعض تو بہت تیز اڑنے والے ہیں یعنی کوا اور کبوتر۔ بعض بہت تیز نہیں اُڑ سکتے یعنی مرغ اور طاؤس۔ اور انھیں **چاروں** میں سے بعض تیرتے ہیں کہ جن میں نر و مادہ کی تمیز ہوتی ہے یعنی طاؤس اور مرغ۔ بعض میں بغیر کسی معرف کے جلدی نر و مادہ پہچان نہیں پڑتے یعنی کبوتر۔ اور بعض میں نر و مادہ کا پہچاننا بہت مشکل ہے جیسے کوا۔

حضرت کعب الاحبار اور علمائے علم حیوانات کہتے ہیں کہ پرندے بارہ میل تک ہوا میں اُڑ سکتے ہیں اور حال کی تحقیقات بھی اسی کے قریب قریب ہیں۔

شاید بارہ کا لفظ دیکھ کر ہمارے برادران شیعہ بخشنے کو دوڑیں کہ دیکھیے پرندے بارہ میل تک اونچائی میں اُڑ سکتے ہیں؛ اس لیے ضرور ہے کہ امام بھی بارہ ہوں۔ تو ہم عرض کیے دیتے ہیں کہ آپ لوگوں کے انھیں دلائل منطقیہ نے تو ہم کو معقول کر رکھا ہے اور انھیں

لاجواب براہین نے تو ہم کو اس رسالہ کے ترتیب دینے پر مجبور کیا ہے۔

خواب میں سیاہ پرند کا دیکھنا برائی کی دلیل اور سفید پرندہ کا نظر آنا اچھا ہے۔قرآن مجید میں دس پرندوں کے نام مذکور ہیں۔

(اوّل) مچھر یعنی بعوضہ سورۂ بقرہ میں (دوسرے) غراب یعنی کوا، سورۂ مائدہ میں (تیسرے) جراد یعنی ٹڈی، سورۂ اعراف میں (چوتھے) نحل یعنی شہد کی مکھی، سورۂ نحل میں (پانچویں) سلویٰ یعنی بٹیر، سورۂ بقرہ اور سورۂ طٰہٰ میں (چھٹویں) نمل یعنی پردار چیونٹی، سورۂ نمل میں (ساتویں) ہد ہد، سورۂ نمل میں (آٹھویں) ذباب یعنی مکھی، سورۂ حج میں (نویں) فراش یعنی پروانہ، سورۃ القارعہ میں (دسویں) ابابیل، سورۂ فیل میں۔

اٹھارہویں دلیل

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوَاتِ وَالأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلائِكَةِ رُسُلاً أُولِيْ أَجْنِحَةٍ مَثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ . (سورۂ فاطر: ۱/۳۵)

ہر تعریف خدا ہی کو ہے جس نے آسمان اور زمین بنا نکالے، اسی نے فرشتوں کو قاصد بنایا جن کے دو دو اور تین تین اور چار چار پَر ہیں۔

ف اللہ تعالیٰ کو **چار** کا عدد ایسا مرغوب ہے کہ اپنے فرشتوں کو بھی **چار** ہی پر سے زیادہ نہیں دیے۔کم سے کم دو پر اور زیادہ سے زیادہ **چار** پر۔

اُنیسویں دلیل

كُلٌّ آمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ . (سورۂ بقرہ: ۲/۲۸۵)

سب مسلمان، اللہ اور اس کے فرشتے اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے۔

ف اللہ اس کے فرشتے اس کی کتابوں اور اس کے رسول انھیں **چار** پر ایمان لانا شانِ مسلمان ہے۔

بیسویں دلیل

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ . (سورۂ آل عمران: ۱۶۴/۳)

اللہ نے مسلمانوں پر اِحسان کیا کہ ان میں انھی میں کا ایک رسول بھیجا جو ان کو خدا کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتا ہے اور ان کو پاک کرتا ہے اور کتاب الٰہی اور دانائی کی اُن کو تعلیم دیتا ہے۔

ف اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو رسالت سے مشرف کر کے تعینات فرمایا کہ وہ مسلمانوں کو اللہ کی آیتیں پڑھ سنائیں۔ ان کو پاک کریں، کتاب اللہ کی تعلیم دیں اور دانائی سکھائیں اور انھیں **چار** چیزوں کے سکھائے جانے پر اللہ مسلمانوں پر اِحسان جتلاتا ہے۔ اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نیابت کے لیے **چار** خلیفہ منتخب کیے، تا کہ **چاروں** خلیفہ امت مرحومہ کو وہ چیزیں آپ کے بعد اچھی طرح سے سکھائیں اور ایسا ہی ہوا۔

اکیسویں دلیل

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ . (سورۂ آل عمران: ۲۰۰/۳)

مسلمانو! برداشت کرو، ایک دوسرے کو صبر کی تعلیم دو، اور آپس میں مل کر رہو اور اللہ سے ڈرو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

ف صبر کرنا، صبر کی تعلیم دینا، آپس میں مل کر رہنا اور اللہ سے ڈرنا انھیں **چار** چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے مراد تک پہنچانے کا ذریعہ بتایا ہے۔

بائیسویں دلیل

اِلَّا الَّذِیْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ وَاَخْلَصُوْا دِیْنَھُمْ لِلّٰہِ فَاُولٰئِکَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ . (سورۂ نساء:۴/۱۴۶)

مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور اپنی حالت درست کر لی اور اللہ کا سہارا پکڑا اور اپنے دین کو خدا کے واسطے خالص کر لیا تو یہ لوگ مسلمانوں کے ساتھ رہیں گے۔

ف بہشت میں مسلمانوں کے ساتھ رہنا اللہ کا بڑا فضل ہے اور اس فضل کا پانا اللہ نے **چار** شرطوں کے ساتھ مقید کر دیا ہے: (۱) توبہ کرنا (۲) اِصلاح کرنا (۳) اللہ کا سہارا پکڑنا (۴) اللہ سے ڈرنا۔

تیئیسویں دلیل

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُوسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ . (سورۂ مائدہ:۵/۶)

مسلمانو! جب نماز کے لیے آمادہ ہو تو اپنے منہ دھو لیا کرو اور کہنیوں تک اپنے ہاتھ اور اپنے سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک اپنے پاؤں دھو لیا کرو۔

ف وضو میں اللہ تعالیٰ نے **چار** ہی چیزیں فرض کر دی ہیں: (اوّل) منہ دھونا۔ (دوسرے) کہنیوں تک ہاتھ دھونا۔ (تیسرے) سر کا مسح کرنا۔ (چوتھے) ٹخنے تک پاؤں دھونا۔

چوبیسویں دلیل

وَاِنْ کُنْتُمْ مَّرْضٰی اَوْعَلٰی سَفَرٍ اَوْ جَآءَ اَحَدٌ مِّنْکُمْ مِّنَ الْغَآئِطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ فَتَیَمَّمُوْا صَعِیْدًا طَیِّبًا . (سورۂ نساء:۴/۴۳)

اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی جائے ضرورت سے ہو کر آیا ہو یا تم نے عورتوں کو ہاتھ لگایا ہو (اور پانی میسر نہ ہو) تو ستھری مٹی لے کر اس سے تیمّم کرلو۔

ف اللہ تعالیٰ نے **چار** ہی وقتوں میں مسلمانوں کو وضو کی جگہ پر تیمّم کی اجازت دی ہے۔ ایک مریض کو۔ دوسرے مسافر کو۔ تیسرے جو پاے خانہ سے آیا ہو۔ چوتھے جس نے عورت کو چھوا ہو۔

پچیسویں دلیل

قُلْ اِنَّ صَلاتِی وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ.

(سورۂ انعام:۶/۱۶۲)

اے پیغمبر کہو کہ میری نماز اور میری تمام عبادت اور میرا جینا اور میرا مرنا سب اللہ کے لیے ہے۔

ف بندوں پر اللہ تعالیٰ کے بہت سارے اَحکام اور بے اِنتہا انعامات ہیں؛ لیکن ان سب باتوں پر اللہ تعالیٰ نے **چار** ہی چیزوں کو مقدم کیا: نماز، عبادات، مرنا، جینا۔

چھبیسویں دلیل

قرآن میں ابلیس کا مقولہ منقول ہے :

ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَائِلِهِمْ . (سورۂ اعراف:۱۷/۷)

پھر میں ادبدا کران کے آگے سے اوران کے پیچھے سے اوران کی داہنی طرف سے اوران کی بائیں طرف سے آؤں گا۔

ف ابلیس بھی جانتا تھا کہ اللہ اوراس کے پاک باز مسلمان بندوں کو **چار** ہی کا عدد مرغوب ہے؛ اس لیے اس نے بھی آگے پیچھے دائیں بائیں چار ہی طرف سے گھس پیٹھ کر مسلمانوں کو بہکانے کہتا تھا۔

ستائیسویں دلیل

اَ لَهُمْ اَرْجُلٌ يَّمْشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَيْدٍ يَّبْطِشُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ اَعْيُنٌ يُّبْصِرُوْنَ بِهَا اَمْ لَهُمْ آذَانٌ يَّسْمَعُوْنَ بِهَا . (سورۂ اعراف:۱۹۵/۷)

کیاان کے ایسے پاؤں ہیں جن سے چلتے ہیں یا ان کے ایسے ہاتھ ہیں جس سے پکڑتے ہیں یاان کی ایسی آنکھیں ہیں جن سے دیکھتے ہیں یاان کے ایسے کان ہیں جن سے سنتے ہیں۔

ف اللہ تعالیٰ نے انسان کے کل اعضا میں سے پاؤں ہاتھ آنکھ اور کان **چار** ہی اعضا کوانتخاب کیا۔

اٹھائیسویں دلیل

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ . (سورۂ ابراہیم:۳۳/۱۴)

سورج اور چاند کوتمہارے اختیار میں کردیا کہ دونوں پڑے چکر کھارہے ہیں اوراسی طرح رات اوردن کوتمہارے اختیار میں کردیا۔

ف چاند سورج رات اور دن **چار** چیزیں ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے انسان کے فائدہ کے لیے مسخر کر دیا۔

انتیسویں دلیل

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ آنَآءِ اللَّيْلِ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّکَ تَرْضٰی . (سورۂ طٰہٰ:۱۳۰/۲۰)

اور سورج نکلنے سے پہلے اور اس کے ڈوبنے سے پہلے اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ تسبیح کیا کرو اور رات کے وقتوں میں اور دن کے لگ بھگ تسبیح کیا کرو تا کہ تم خوش ہو جاؤ۔

ف سورج نکلنے سے پہلے سورج ڈوبنے سے پہلے رات کے وقتوں میں اور دن کے لگ بھگ یہی **چار** وقت ہیں جن میں اللہ اپنی حمد و ثنا اور تسبیح کرنے کا حکم دیتا ہے۔ تسبیح سے یا تو مطلق ذکر الٰہی مراد ہے یا پانچوں وقت کی نمازیں؛ لیکن سیاق کلام سے فقط ذکر الٰہی مفہوم و معلوم ہوتا ہے۔

تیسویں دلیل

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لَهُدِّمَتْ صَوَامِعُ وَبِيَعٌ وَصَلَوَاتٌ وَمَسَاجِدُ يُذْكَرُ فِيْهَا اسْمُ اللّٰهِ كَثِيْرًا . (سورۂ حج:۴۰/۲۲)

اور اگر اللہ لوگوں کو ایک دوسرے سے نہ ہٹواتا تو صومعے یعنی نصاریٰ کے معبد، گرجے اور یہودیوں کے عبادت خانے اور مسلمانوں کی مسجدیں جن میں کثرت سے خدا کا نام لیا جاتا ہے کبھی کے ڈھائے جا چکے ہوتے۔

ف عیسائیوں کے گرجے یہودیوں کے عبادت خانے نصاریٰ کے معبدوں اور

مسلمانوں کی مسجدوں انھیں **چار** کو اللہ نے تمام عددوں پر مقدم کر کے بیان کیا۔

اکتیسویں دلیل

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوْا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ . (سورۂ حج:۲۲/۷۷)

مسلمانو! رکوع کرو اور سجدے کرو اور اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور نیکی کرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو۔

ف اگر چہ عبادت کرنے اور نیکی کرنے میں تمام باتیں محدود ہو گئی تھیں؛ مگر نہیں! خدا کو تو **چار** کا عدد ایسا مرغوب ہے کہ اس کو کسی حال میں چھوڑنا ہی نہیں چاہتا؛ اسی لیے رکوع اور سجود کو ملا کر **چار** حکم پورے کر دیے۔

بتیسویں دلیل

لَیْسَ عَلَى الْاَعْمٰى حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَلَا عَلَى الْمَرِیْضِ حَرَجٌ وَلَا عَلٰى اَنْفُسِكُمْ اَنْ تَاْكُلُوْا مَنْ بُیُوْتِكُمْ اَوْ بُیُوْتِ آبَائِكُمْ الخ . (سورۂ نور:۲۴/۶۱)

نہ اندھے کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ لنگڑے کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ بیمار کے لیے کچھ مضائقہ ہے اور نہ تم مسلمانوں کے لیے کچھ مضائقہ ہے کہ اپنے گھروں سے کھاؤ یا اپنے باپ کے گھروں سے۔الآیہ۔

ف اندھا، لنگڑا، بیمار اور عام مسلمان ان **چار** شخصوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ خواہ اپنے گھر سے کھائیں یا اپنے ان باپ کے گھروں سے یا دوسرے عزیزوں کے گھروں سے کھائیں کچھ مضائقہ نہیں۔

تینتیسویں دلیل

وَالشُّعَرَآءُ یَتَّبِعُهُمُ الْغَاؤٗنَ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِی كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ وَاَنَّهُمْ یَقُوْلُوْنَ مَالاَ یَفْعَلُوْنَ اِلَّاالَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوْا اللّٰهَ كَثِیْرًا وَانْتَصَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا . (سورۂ شعراء:۲۶/۲۲۴تا۲۲۷)

شاعر (گمراہ ہوتے ہیں اور) ان کی پیروی گمراہ ہی کرتے ہیں۔کیا تم نے اس بات پر نظر نہیں کی کہ یہ ہر ایک میدان میں سرگرداں پھرا کرتے ہیں اور ایسی باتیں کہا کرتے ہیں جو خود نہیں کرتے؛ مگر جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک عمل کیے اور (اپنے شعر میں) کثرت سے خدا کا ذکر کیا اور اپنے اوپر ظلم ہوئے بعد بدلا لیا (تو ایسی شاعری کا مضائقہ نہیں)

ف ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے شاعروں کی مذمت کی ہے؛ مگر چار صورتوں میں ان کو مستثنٰی بھی کیا ہے (۱) جو شاعر ایمان لائے (۲) جنہوں نے نیک عمل کیے (۳) جنہوں نے اپنے اشعار میں کثرت سے خدا کا ذکر کیا (۴) اور جنہوں نے ظلم ہوئے پیچھے بدلا لیا۔

چونتیسویں دلیل

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ . (سورۂ روم:۳۰/۴۰)

اللہ وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر تم کو روزی دی پھر تم کو مارتا ہے پھر تم کو جلائے گا۔

ف اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی **چار** قدرتوں کا اظہار فرمایا ہے: (۱) انسان کا پیدا کرنا (۲) روزی دینا (۳) مارنا (۴) پھر جلانا۔

پینتیسویں دلیل

يَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا يَشَآءُ مِنْ مَّحَارِيْبَ وَتَمَاثِيْلَ وَجِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَقُدُوْرٍ رّٰسِيٰتٍ . (سورۂ سبا:۳۴/۱۳)

سلیمان کو جو کچھ منظور ہوتا (جنات) ان کے لیے بناتے اونچی اونچی شاندار عمارتیں اور (ڈھلی ہوئی) مورتیں اور (ایسے بڑے بڑے) لگن جیسے حوض اور دیگیں جو ایک ہی جگہ جمی رہیں۔

ف (۱) اونچی شاندار عمارتیں (۲) ڈھلی ہوئی مارتیں (۳) بڑی بڑی لگن (۴) اور بھاری بھاری دیگیں یہی **چار** چیزیں تھیں جن کو حضرت سلیمان علیہ السلام بڑے شوق سے جنات سے بنواتے تھے۔

چھتیسویں دلیل

وَمَا يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ وَمَا يَسْتَوِى الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ . (سورۂ فاطر:۳۵/۱۹تا۲۲)

اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں ہوسکتا اور نہ تاریکی اور روشنی اور نہ چھاؤں اور دھوپ اور نہ زندے اور مردے برابر ہوسکتے۔

چار چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے کہ وہ **چار** چیزوں کے برابر نہیں ہوسکتیں۔ ان سب میں آنکھوں والا (۲) روشنی (۳) سایہ (۴) اور زندہ یہ **چار** تو ممدوح ہیں اور ان

کے اَضداد اندھا (۲) تاریکی (۳) دھوپ (۴) اور موت چاروں مکروہ عندالناس ہیں۔

سینتیسویں دلیل

اِنَّـا اَرۡسَلۡنٰکَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيۡرًا لِّتُؤۡمِنُوۡا بِاللّٰهِ وَرَسُوۡلِهٖ وَتُعَزِّرُوۡهُ وَتُوَقِّرُوۡهُ وَتُسَبِّحُوۡهُ بُكۡرَةً وَّاَصِيۡلًا ۔ (سورۂ فتح:۴۸/۸تا۹)

ہم نے تم کو (اے پیغمبر) گواہ اور خوش خبری دینے والا اور ڈر سنانے والا (بنا کر) بھیجا ہے (تا کہ اے مسلمانو!) تم لوگ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ اور دین خدا کی مدد کرو اور اس کا ادب ملحوظ رکھو اور صبح وشام اس کی تسبیح میں لگے رہو۔

ف اللہ تعالیٰ نے جو پیغمبر کو مسلمانوں کو بشارت دینے اور کافروں کو ڈرانے کے واسطے بھیجا ہے اس سے فقط **چار** غرض ہے: (۱) یہ کہ مسلمان اللہ ورسول پر ایمان لائیں (۲) دین خدا کی مدد کریں (۳) خدا کا اَدب ملحوظ رکھیں (۴) صبح وشام تسبیح کریں۔

اَڑتیسویں دلیل

هُوَ الۡاَوَّلُ وَالۡاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالۡبَاطِنُ ۔ (سورۂ حدید:۵۷/۳)

وہی اللہ شروع سے ہے اور وہی آخر تک رہے گا اور وہ قدرتوں سے ظاہر اور ذات وصفات سے پوشیدہ ہے۔

ف اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی **چار** ہی اعلیٰ درجہ صفتوں کا ذکر کیا ہے: (۱) اوّل (۲) آخر (۳) ظاہر (۴) باطن۔

اُنتالیسویں دلیل

لاَ تَجِدُ قَوْمًا یُّؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَالْیَوْمِ الاٰخِرِ یُوَادُّوْنَ مَنْ حَادَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَلَوْ کَانُوْا آبَائَھُمْ اَوْ اَبْنَائَھُمْ اَوْ اِخْوَانَھُمْ اَوْ عَشِیْرَتَھُمْ ۔ (سورۂ مجادلہ:۲۲/۵۸)

جو لوگ اللہ اور روزِ آخرت کا یقین رکھتے ہیں ان کو تو تم نہ دیکھو گے کہ خدا اور اس کے رسول کے مخالفوں کے ساتھ دوستی رکھیں گو وہ ان کے باپ یا ان کے بیٹے یا ان کے بھائی یا ان کے کنبے ہی کے ہوں۔

ف یہاں بھی اللہ تعالیٰ نے عزیزوں اور یگانوں کو **چار** ہی صنف میں کر کے بیان فرمایا ہے۔

چالیسویں دلیل

وَ اِنْ تَظَاھَرَا عَلَیْہِ فَاِنَّ اللّٰہَ ھُوَ مَوْلاَہٗ وَجِبْرِیْلُ وَصَالِحُ الْمُوْمِنِیْنَ وَالْمَلاَئِکَۃُ بَعْدَ ذٰلِکَ ظَھِیْرٌ ۔ (سورۂ تحریم:۴/۶۶)

اور اگر پیغمبر کے خلاف سازش کرو گے تو ان کا مددگار اللہ ہے اور جبرئیل اور نیک مسلمان اور ان کے علاوہ فرشتے پیغمبر کے مددگار ہیں۔

ف (۱) اللہ (۲) جبرئیل (۳) نیک مسلمان (۴) اور فرشتے انھیں **چار** کو اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کا مددگار بنایا ہے اور اسی آیت پر ہم نظر کر کے ہم یقین کے ساتھ کہتے ہیں کہ نیک مسلمانوں میں وہی چاروں خلفاے راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین، افضل الناس بعد النبی اور رسول کے سچے پیرو اور سچے مددگار تھے۔

اکتالیسویں دلیل

فَاِذَا النُّجُوْمُ طُمِسَتْ وَاِذَا السَّمَآءُ فُرِجَتْ وَاِذَا الْجِبَالُ نُسِفَتْ وَاِذَا الرُّسُلُ اُقِّتَتْ . (سورۂ مرسلات:۷۷/۸تا۱۱)

پس جب ستارے ماند پڑ جائیں اور جب آسمان پھٹ جائے اور جب پہاڑ اُڑائے جائیں اور جب پیغمبر وقت مقررہ پر حاضر کیے جائیں (اس وقت سمجھو کہ قیامت ہوئی)

ف ستاروں کا ماند پڑ جانا (۲) آسمان کا پھٹ جانا (۳) پہاڑوں کا اُڑایا جانا (۴) اور پیغمبروں کا وقت مقررہ پر حاضر کیا جانا۔ قیامت قائم ہو جانے کی یہی چار نشانیاں ہیں۔

بیالیسویں دلیل

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ وَاِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ وَاِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ عَلِمَتْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ وَاَخَّرَتْ .

(سورۂ انفطار:۸۲/۱تا۵)

جب آسمان پھٹ جائے اور جب ستارے جھڑ پڑیں اور جب دریاؤں کو اُچھال کر دوسری طرف بہا دیا جائے اور جب قبریں اکھاڑ دی جائیں (اس وقت) ہر شخص جان لے گا کہ اس نے کیسے عمل پہلے سے بھیجے ہیں اور کیسے پیچھے چھوڑ آیا ہے۔

ف آسمان کا پھٹ جانا (۲) ستاروں کا جھڑ پڑنا (۳) دریاؤں کو اپنی اصلی جگہ سے اُچھال کر دوسری طرف کو بہا دیا جانا (۴) اور قبروں کا اکھاڑ دیا جانا جب یہ چاروں آثار ظاہر ہو جائیں گے تب ہر شخص اپنے دونوں قسم کے اعمال جان لے گا کہ ہم نے کیا کیا۔

تینتالیسویں دلیل

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَأَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا وَّیَنْصُرَکَ اللّٰہُ نَصْرًا عَزِیْزًا . (سورۂ فتح:۴۸/۱تا۳)

حقیقت میں ہم نے کھلم کھلا تمہاری فتح کرادی تا کہ خدا اس کے صلے میں تمہارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف کرے اور تم پر اپنے اِحسانات پورے کرے اور تم کو سیدھے رستے لے چلے اور خدا تمہاری زبردست مدد کرے۔(۱)

ف اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کی فتح مکہ چار باتوں کے واسطے کرائی: (اول) اس وجہ سے کہ رسول اللہ ﷺ کے اگلے پچھلے گناہ اس کے صلہ میں معاف کردے (دوسرے) اس وجہ سے کہ آپ پر اپنے احسانات پورے کرے (تیسرے اس وجہ سے کہ آپ کو سیدھے رستے لے چلے (چوتھے) اس وجہ سے کہ آپ کی زبردست مدد کرے۔

چوالیسویں دلیل

کَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْأَہٗ فَآزَرَہٗ فَاسْتَغْلَظَ فَاسْتَوٰی عَلٰی سُوْقِہٖ یُعْجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیْظَ بِھِمُ الْکُفَّارَ . (سورۂ فتح:۴۸/۲۹)

(رسول ﷺ کے صحابہ روز بروز اس طرح ترقی کرتے جائیں گے) جیسے کھیتی کہ اس نے (پہلے زمین سے) اپنی سوئی نکالی پھر اس نے (غذاے نباتی کو ھوا اور

(۱) اعلیٰ حضرت امام احمد رضا قدس سرہ نے اس کا ترجمہ یہ کیا ہے: 'بے شک ہم نے تمھارے لیے روشن فتح فرمادی تا کہ اللہ تمھارے سبب سے گناہ بخشے تمھارے اگلوں کے اور تمھارے پچھلوں کے اور اپنی نعمت تم پر تمام کردے، اور تمھیں سیدھی راہ دکھادے، اور تمھاری زبردست مدد فرمائے۔ (کنز الایمان)

مٹی سے جذب کر کے) اپنی اس سوئی کو قوی کیا چنانچہ وہ (رفتہ رفتہ) موٹی ہوئی آخرکار اپنی نال پر سیدھی کھڑی ہوگئی (اور اپنی اس سرسبزی سے) لگی کسانوں کو خوش کرنے (اور خدا نے صحابہ کو روز افزوں ترقی دی) اس لیے کہ ان کی اس ترقی سے کافروں کو جلائے۔

اس آیت میں تین باتیں توجہ سے سننے کے قابل ہیں۔

امر اوّل: اللہ تعالیٰ نے کھیتی کے شروع سے تیار ہو جانے تک کی **چار** حالتیں بیان کی ہیں: (۱) پہلے زمین سے سوئی کا نکلنا (۲) پھر سوئی کا قوی ہونا (۳) پھر سوئی کا موٹا ہونا (۴) پھر اس کا اپنی اپنی نال پر سیدھا کھڑا ہو جانا۔

امر دویم: چونکہ کھیتی کی یہ مثال صحابۂ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ترقی سے دی گئی ہے کہ جس طرح کھیت رفتہ رفتہ ترقی کرتا ہے اسی طرح یہ صحابہ بھی ترقی ہی کرتے جائیں گے؛ اس لیے ضرور ہوا کہ **چاروں** خلفاے راشدین سلام اللہ علیہم اجمعین برحق ہوں؛ کیوں کہ اسلام کی دینی و دنیاوی ترقی انھیں کے عہد میں زیادہ ہوئی (جیسا کہ تواریخ معتبرہ سے ثابت ہے) اور انھیں **چاروں** کی تشبیہ اللہ تعالیٰ نے کھیت کی ان چار حالتوں سے دی ہے۔

یہ جو اڈیٹر اصلاح نے ارقام فرمایا ہے کہ خلفاے ثلاثہ علیہم السلام کے عہد میں کچھ دینی ترقی نہیں ہوئی بلکہ صرف انہوں نے ملکوں کو فتح کیا اور فتح ممالک سے دینی ترقی لازم نہیں آتی۔ کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ انگریزوں نے فتح ممالک سے دین مسیحی پر کوئی اِحسان کیا ہے، فقط باطل صریح ہے اور اس تقریر کے دو جواب ہیں :

اولاً تو اڈیٹر صاحب کا اس سے انکار کرنا کہ خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کے عہد میں کوئی دینی ترقی نہیں ہوئی چاند پر خاک ڈالنا ہے، حالانکہ تواریخ معتمدہ اس امر کی شاہد ہیں بلکہ اہل اسلام کے علاوہ مسیحی مورخین بھی ہمارے ہم زبان ہیں؛ مگر ان شواہد اور دلائل لکھنے کا یہ محل نہیں ہے۔ اس کے لیے ناظرین دوسری کتب تواریخ پر نظر ڈالیں۔

یہ انکار تو ویسا ہی ہے جیسے کوئی کہہ بیٹھے کہ جناب علی مرتضی کرم اللہ وجہہ مسلمان ہی نہیں تھے۔

ثانیاً: یہ کہ فتح ممالک سے دینی ترقی کیوں نہیں لازم آتی۔ یہ تو اڈیٹر صاحب کی عین کوتاہ نظری ہے اور مثال جو پیش کی ہے وہ دعوی سے بھی زیادہ رکیک ہے۔ سب جانتے ہیں کہ عیسائیوں کی مشنریاں محض مسیحی سلطنت کی وجہ سے ہندوستان میں قائم ہیں، اور ترقی کررہی ہیں۔کوئی سال ایسا نہیں گزرتا کہ ہزاروں نفوس اپنے مذاہب ترک کر کے عیسائی مذہب اختیار نہ کرتے ہوں، گو یہ ترک مذہب کسی وجہ سے ہو۔ پس اگر خدا نخواستہ انگریزوں کی باامن سلطنت آج ہندوستان میں نہ رہے تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کل مسیحی مشنریاں قائم رہ سکیں گی !۔

امرسوم: سورۃ الفتح میں اسی آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اس طرح بیان فرمائی ہے :

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرَاهُمْ ...الآيه . (سورۂ فتح:۲۹/۴۸)

محمد صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر ہیں اور جو لوگ ان کے ساتھ ہیں کافروں کے حق میں بڑے سخت ہیں مگر آپس میں رحم دل ہیں (اے مخاطب) تو ان کو دیکھے گا کہ (کبھی) رکوع کر رہے ہیں (اور کبھی) سجدہ کررہے ہیں (اور) خدا کے فضل اور خوشنودی کی طلب گاری میں لگے ہیں ان کی شناخت یہ ہے کہ سجدے کے گھٹے ان کی پیشانیوں پر ہیں یہی اوصاف ان کے توریت میں (بھی مذکور) ہیں اور بھی اوصاف ان کے انجیل میں بھی ہیں۔

یہ آیت کریمہ صحابہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں شاہد ناطق بالتصریح ہے؛ مگر ان لوگوں کے واسطے جو قرآن کو کتاب اللہ سمجھتے ہیں۔ ہاں جو لوگ قرآن کو بیاضِ عثمانی قرار

دیتے ہیں اور مثل توریت وانجیل کے قرآن کو بھی محرف کہتے ہیں ان کے لیے تو کوئی حجت ہی نہیں ہے نہ ان کو خود قرآن سے سند لانا زیبا ہے۔

اعتراض: اڈیٹر اصلاح تحریر فرماتے ہیں کہ 'شیعے جو خلفاے ثلاثہ وغیرہ پر لعن وتبرا کرتے ہیں وہ دراصل خدا اور رسول کا حکم بجالاتے ہیں'۔

الجواب: اس تحریر کا یہ مطلب ہے کہ قرآن میں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو حکم دیا ہے کہ وہ ان صحابۂ کرام پر لعنت کریں اور ان کو برا بھلا کہیں اور اسی لیے ان صحابہ کو گالی دینا شیعوں کے مذہب کا جزِ اعلی ہے۔ سچ ہے ؎

دشنام بمذ ہبے کہ طاعت باشد مذہب معلوم اہل مذہب معلوم

قرآن میں اگر صحابہ پر لعن تبرا کرنے کا حکم ہے تو حضرات شیعہ پیش فرمائیں۔ ذرا ہم بھی تو دیکھیں مگر ٹھہرو ٹھہرو! شاید حضرات سبائیہ اس کا جواب یہ دیں کہ یہ قرآن جو ہم لوگوں میں دائر ہے وہ اصلی قرآن کب ہے، یہ تو بیاضِ عثمانی ہے، اصلی قرآن تو وہ ہے جو ہمارے خیالی اور موہوم امام منتظر مہدی کے ساتھ ہے جو ایسے بہادر ہیں کہ مارے ڈر کے چھپے ہوئے ہیں۔ کبھی سُــــر مَــن رأی کی سرنگ میں پوشید رہتے ہیں اور کبھی زمین سے اُڑ کر بادلوں میں چھپ جاتے ہیں۔

واقعی یہ ایسا جواب ہے کہ اہل سنت و جماعت عاجز ہیں۔

اور حدیثیں جو یہ حضرات لعن وتبرا کے وجوب پر پیش کرتے ہیں ہم اس کتاب کے باب اوّل میں اس سے بحث کر آئے ہیں۔

الغرض! اصلاح کے اڈیٹر صاحب کے اسی دعوے ودلیل کی بنا پر اب ہم کہتے ہیں کہ ان صحابہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بغض رکھنے والوں کی جو اہل سنت و جماعت تکفیر کرتے ہیں تو کچھ بے جا نہیں کرتے بلکہ اللہ تعالیٰ کا حکم بجالاتے ہیں؛ اس لیے کہ یہ آیات اصحاب رسول کی تعریف میں ہیں۔ ان صحابہ خصوصاً چار یار باصفا کو خدا نے کھیت سے تشبیہ

دے کر فرمایا کہ ہم نے صحابہ رسول اللہ کو اس لیے روز افزوں ترقی دی تا کہ کفار دیکھ کر جلیں اور غم کھائیں۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ ان صحابہ کی ترقی سے جلیں وہ کافر ہیں اور صحابہ کی ترقی سے وہی لوگ جلیں گے جو ایمان سے بالکل بے بہرہ ہیں اور ظاہر ہے کہ ••••• کو اگر ••••• کہا جائے تو اس میں جرح نہیں ہے۔

پینتالیسویں دلیل

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِیْهَا اَنْهَارٌ مِّنْ مَّآءٍ غَیْرِ آسِنٍ وَّاَنْهَارٌ مِنْ لَّبَنٍ لَّمْ یَتَغَیَّرْ طَعْمُهٗ وَاَنْهَارٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِیْنَ وَاَنْهَارٌ مِنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى . (سورۂ محمد: ۱۵/۴۷)

بس بہشت کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا جاتا ہے اس کی کیفیت یہ ہے کہ اس میں (ایسے) پانی کی نہریں ہیں جس میں بو نہیں اور (ایسے) دودھ کی نہریں میں جس کا ذائقہ نہیں بدلا اور (ایسے) شراب کی نہریں جو پینے والوں کو بہت ہی خوش ذائقہ معلوم ہوگی اور صاف شفاف شہد کی نہریں ہیں۔

ف واقعی خداوند کریم کو **چار** سے کچھ ایسا خاص لگاؤ ہے کہ اس نے اپنے پرہیزگار بندوں کے لیے جنت میں بھی **چار** ہی نہریں جاری کیں: (ایک) نہر عمدہ پانی کی (دوسری) نہر دودھ کی (تیسری) نہر خوش مزہ شراب کی (چوتھی) نہر شہد کی۔

چھیالیسویں دلیل

وَالَّذِیْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً وَّیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ اُولٰٓئِکَ لَهُمْ عُقْبَی الدَّارِ جَنّٰتُ عَدْنٍ یَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ آبَآئِهِمْ

وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ . (سورۂ رعد:۱۳/۲۲، ۲۳)

جنہوں نے اپنے پروردگار کا منہ کر کے صبر کیا اور نمازیں پڑھیں اور ہم نے جو ان کو رزق دیا تھا اس میں سے چھپے اور ظاہر خرچ کیا اور برائی کے مقابلہ میں نیکی کرتے ہیں (تو) یہی لوگ ہیں جن کے دنیا کا انجام (بخیر) ہے یعنی ہمیشہ ہمیشہ رہنے کے باغ میں وہ (آپ بھی) جائیں گے اور ان کے بڑوں کے بڑوں اور ان کے بی بیوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیکو کار ہوں گے (سب ان کے ساتھ جائیں گے)

ف اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے **چار** ہی قسم کے لوگوں کے لیے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔

اوّل: وہ لوگ جو خدا کا پاس کر کے صبر کریں۔

دوسرے: وہ جو نمازیں پڑھیں۔

تیسرے: وہ جو اللہ کی دی ہوئی دولت میں سے چھپے اور ظاہر خرچ کیا کریں۔

چوتھے: وہ جو لوگوں کے ساتھ برائی کے بدلے میں نیکی کیا کریں۔

پھر ان **چاروں** میں سے ہر ایک بھی تنہا ہی نہیں جائے گا بلکہ تین اور مل کر **چار** پورے ہو کر بہشت میں داخل ہوں گے: (ایک) تو خود (دوسرے) ان کے باپ دادا (تیسرے) ان کی بی بیاں (چوتھے) ان کی اولاد۔

سینتالیسویں دلیل

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ .

(سورۂ مائدہ:۵/۹۰)

مسلمانو! شراب اور جوا اور بت اور پانسے تو بس ناکام شیطانی کام ہیں تو اس سے بچتے رہو تا کہ تم فلاح پاؤ۔

ف اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے (۱) شراب (۲) جوا (۳) بت (۴) پانسے انھیں چیزوں سے ممانعت فرمائی ہے اور انھیں **چار** چیزوں سے پرہیز کرنے پر فلاح دارین کو موقوف کیا ہے۔ اور اس میں کنایہ یہ رکھا ہے کہ ان **چاروں** کو (جن میں چوتھے حضرت علی مرتضی ہیں) گالی دینے سے پرہیز کرو تا کہ تمہاری فلاح ہو۔ غرض **چار** کی عدد اللہ کو ایسی مرغوب ہے کہ اَوامر ونواہی کسی میں اس کا ترک کرنا پسند نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کا یہی پاس کر کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اپنے لیے **چار** ہی خلیفے پسند کیے۔

اَڑتالیسویں دلیل

وَجَعَلَ فِيْهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيْهَا وَقَدَّرَ فِيْهَا اَقْوَاتَهَا فِي اَرْبَعَةِ اَيَّامٍ . (سورۂ فصلت:۱۰/۴۱)

اور اسی نے زمین میں اس کے اوپر سے پہاڑ گاڑ دیے اور اس میں برکت دی اور اسی میں اس کی پیداوار کا اندازہ بھی ٹھہرا دیا اور یہ سب کچھ چار دن میں۔

ف اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی **چار** قدرتوں کا ذکر کیا ہے: (۱) زمین میں پہاڑ کا گاڑ دینا (۲) اس میں برکت دینا (۳) اسی میں اس کی پیداوار کا اندازہ ٹھہرانا (۴) اور یہ سب کچھ **چار** دن میں کرنا۔

اُنچاسویں دلیل

اَ فَلاَ يَنْظُرُوْنَ اِلَى الاِبِلِ كَيْفَ خُلِقَتْ وَاِلَى السَّمَآءِ كَيْفَ رُفِعَتْ وَاِلَى الْجِبَالِ كَيْفَ نُصِبَتْ وَاِلَى الاَرْضِ كَيْفَ سُطِحَتْ . (سورۂ غاشیہ:۸۸/۱۷تا۲۰)

تو کیا لوگ اونٹوں کی طرف نہیں دیکھتے کہ کیسے (عجیب) پیدا کیے گئے ہیں اورآسمانوں کی طرف کہ کیسا اونچا بنایا گیا ہے اور پہاڑوں کی طرف کہ کیسے کھڑے کیے گئے ہیں اور زمین کی طرف کہ کیسے بچھائی گئی ہے۔

ف اللہ تعالیٰ نے سورۂ غاشیہ کی ان چار آیتوں میں اپنی قدرت اور الوہیت پر چار عجیب مضبوط دلیلیں پیش کی ہیں: (۱)اونٹ کی خلقت (۲) آسمان کی بلندی (۳) پہاڑوں کا قیام (۴)اور زمین کی گستردگی۔

پچاسویں دلیل

وَالْفَجْرِ وَلَيَالٍ عَشْرٍ وَالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ وَاللَّيْلِ اِذَا يَسْرِ . (سورۂ فجر:۸۹/۱تا۴)

صبح کی قسم اور دس راتوں کی قسم اور جفت وطاق کی قسم اور رات کی قسم جب گزرنے لگے۔

ف (۱) صبح (۲) دس رات (۳) جفت وطاق (۴)اور گزرنے والی رات۔ **چار** چیزوں کی قسم اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے کھائی ہے۔

دلیل اکاون

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ وَهٰذَا الْبَلَدِ الاَمِيْنِ لَقَدْ خَلَقْنَا الاِنْسَانَ فِىْ اَحْسَنِ تَقْوِيْمٍ . (سورۂ تین:۹۵/۱تا۴)

انجیروں اور زیتونوں اور طور سینین پہاڑ اور اس شہر مکہ کی قسم جس میں امن ہے کہ ہم نے انسان کو بہتر سے بہتر ساخت میں پیدا کیا ہے۔

ف (۱) انجیر (۲) زیتون (۳) طور سینین (۴) اور شہر مکہ **چار** مبارک چیزوں کی قسم اللہ نے کھائی ہے اس بات پر کہ اس نے انسان کو بہتر ساخت میں پیدا کیا ہے۔

دلیل باون

لِاِیۡلٰفِ قُرَیۡشٍ اٖلٰفِہِمۡ رِحۡلَۃَ الشِّتَآءِ وَالصَّیۡفِ فَلۡیَعۡبُدُوۡا رَبَّ ھٰذَا الۡبَیۡتِ الَّذِیۡۤ اَطۡعَمَھُمۡ مِّنۡ جُوۡعٍ وَّاٰمَنَھُمۡ مِّنۡ خَوۡفٍ . (سورۂ قریش:۱۰۶/۱تا۴)

چونکہ قریش کو جاڑے اور گرمی کے سفروں کی چاٹ لگا دی ہے تو ان کو چاہیے کہ اسی چاٹ کے لگا دینے کی وجہ سے اس خانۂ کعبہ کے مالک کی عبادت کریں جس نے ان کو بھوک میں کھانے کو دیا اور خوف سے ان کو امن میں رکھا۔

ف اس سورہ میں فقط قریش کو اپنا اِحسان جتلا کر اِسلام کی طرف بلایا گیا ہے۔ قریش کا قبیلہ تمام قبائل سے افضل و بہتر مانا جاتا تھا اور اب بھی مانا جاتا ہے اور چونکہ قریش میں بھی **چار** ہی حروف ہیں؛ اس لیے اللہ تعالیٰ نے سورہ میں بھی **چار** ہی آیتیں رکھیں۔

دلیل ترپن

قُلۡ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ اَللّٰہُ الصَّمَدُ لَمۡ یَلِدۡ وَلَمۡ یُوۡلَدۡ وَلَمۡ یَکُنۡ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ . (سورۂ اخلاص:۱۱۲/۱تا۴)

اے پیغمبر ان کفار سے کہو کہ وہ اللہ ایک ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ نہ اس سے کوئی پیدا ہوا اور نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر کا ہے۔

ف قرآن بھر میں یہی سورۂ اخلاص ہی ایک سورہ ہے جو سورہ کی سورہ فقط توحید میں

ہے اوراس سورہ میں **چار** آیتیں اور **چار** ہی باتیں ہیں: (۱) اللہ ایک بے نیاز ہے (۲) اللہ کے بیٹا بیٹی نہیں ہے (۳) اللہ کے ماں باپ نہیں ہے (۴) اور اللہ کے برابر کا کوئی نہیں ہے۔

دلیل چون

قرآن بھر میں **چار** ہی سورتیں ایسی ہیں جن کے شروع میں تسبیح کا لفظ واقع ہوا ہے اور آخر میں عزیز وحکیم۔ اور جن کے شروع ہی میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ زمین وآسمان والے سب اللہ کی تسبیح کرتے ہیں۔

اوّل سورۂ حدید: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَهُوَالْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ .

دوم سورۂ حشر: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَهُوَالْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ .

سوم سورۂ صف: سَبَّحَ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَالاَرْضِ وَهُوَالْعَزِيْزُالْحَكِيْمُ .

چہارم سورۂ جمعہ: يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَافِی السَّمٰوٰتِ وَمَافِي الاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِالْحَكِيْمِ .

دلیل پچپن

قرآن بھر میں فقط **چار** ہی سورتیں ایسی ہیں جو خدا کی وحدانیت میں ہیں اور ہر سورہ قل کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔

اول: قُلْ يٰاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ .

دوم: قُلْ هُوَاللّٰهُ اَحَدٌ .

سوم: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ .

چہارم: قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ .

(۵۶)

جنازہ کی نماز میں **چار** ہی تکبیریں ہیں۔

(۵۷)

اسلام کے **چار** ہی ارکان ہیں جو ہر مسلمان پر فرض کیے گئے ہیں: نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ۔

(۵۸)

شوہر کے مرجانے پر عورتوں کے لیے **چار** ہی مہینے کی عدت رکھی گئی ہے۔

(۵۹)

اللہ کے مقرب **چار** ہی فرشتے ہیں: (۱) جبریل (۲) میکائیل (۳) اسرافیل (۴) عزرائیل۔

(۶۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کی عورتوں میں سے **چار** ہی بی بیوں کو مقدس اور افضل فرمایا: اوّل حضرت آسیہ زوجۂ فرعون۔ دوم مریم بنت عمران۔ سوم خدیجہ بنت خویلد۔ چہارم فاطمہ بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

(۶۱)

صحیح مسلم میں واثلہ بن الاسقع سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إن اللّٰــه اصـطفى كنانة من ولد اسماعيل واصطفى قريشا مـن كـنـانة واصطفى من قريش بنى هاشم واصطفانى من بني هاشم .(١)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اولا د اسماعیل سے کنانہ کو پسند کیا اور کنانہ سے قریش کو پسند کیا اور قریش سے بنی ہاشم کو برگزیدہ کیا اور بنی ہاشم سے مجھ کو منتخب کیا۔

کنانہ، قریش، بنی ہاشم اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انھیں **چار** کو اللہ نے دنیا بھر کے لوگوں میں سے منتخب کر لیا۔ اور واضح رہے کہ یہ حدیث شیعہ اور سنی دونوں فریق میں مسلم اور صحیح قرار پائی ہے۔

(٦٢)

سفر کی حالت میں نماز قصر کرنے کی اجازت دی گئی ہے؛ لیکن یہ قصر **چار** ہی رکعت والی نماز میں ہے، دو یا تین رکعت میں قصر نہیں ہے۔

(٦٣)

چار ہی پیغمبروں کا زندہ رہنا بتایا جاتا ہے: حضرت ادریس و حضرت عیسیٰ آسمان پر اور حضرات ِخضر و الیاس زمین پر۔

(٦٤)

اللہ، رسول، محمد، صدیق، شہید، اور صالح ان سب میں **چار** ہی **چار** حروف ہیں۔

(١) صحیح مسلم: ١١/٣٨٠ حدیث: ٤٢٢١...... سنن ترمذی: ١٢/٥٢ حدیث: ٣٥٣٩...... صحیح ابن حبان: ٢٦/٢٠٤ حدیث: ٦٤٣٩...... مسند ابویعلی: ١٥/٢٩٤ حدیث: ٧٣١٩۔

(٦٥)

دنیا بھر کا مانا ہوا مسئلہ ہے کہ انسان کی آفرینش **چار** ہی چیزوں سے ہے: آگ، ہوا، پانی، مٹی۔

(٦٦)

طب کا مسلم مسئلہ ہے کہ طبیعت **چار** ہیں: حرارت، برودت، رطوبت، اور یبوست۔

(٦٧)

فن طب کا مسلم مسئلہ ہے کہ مزاج **چار** ہیں: بلغم، سودا، صفرا، دم۔

(٦٨)

حکما و فلاسفہ متفق ہیں کہ کمالِ انسانی **چار** ہی فضیلتوں میں منحصر ہے: حکمت، شجاعت، عفت، عدالت۔

(٦٩)

اِسلام کے ہر فرقہ کے نزدیک دلیل قطعی **چار** ہی ہیں: کتاب، سنت، اجماع، قیاس۔

(٧٠)

اللہ کی مخلوقات میں **چار** ہی ذی روح اعلیٰ درجہ پر ہیں: اوّل ملائک، پھر جنات، پھر انسان، پھر حیوانات۔ اور افضلیت کے اعتبار سے بھی دوسری ترتیب پر یہی **چار** اصناف

ہیں: اوّل انسان، پھر فرشتے، پھر جنات، تب حیوانات۔

(۷۱)

منطق کے علم میں **چار** ہی نسبتیں قرار پائی ہیں: تساوی، تبائن، عام خاص مطلق، عام خاص من وجہٍ۔

(۷۲)

اشکال منطق **چار** ہی ہیں، اور اسی پر علمائے منطق کا اتفاق ہے۔

(۷۳)

فن صرف یعنی گردان میں **چار** ہی فعل: ماضی، مضارع، امر، نہی ہیں اور باقی سب انھیں میں متفرع ہیں۔

(۷۴)

فن نحو میں کلمہ و کلام سے بحث ہوتی ہے اور ان دونوں میں **چار** ہی **چار** حروف ہیں۔

(۷۵)

فن نحو میں کلمہ کے آخر سے بحث کرتے ہیں اور آخر کلمہ کی **چار** ہی حالتیں ہیں: فتحہ، ضمہ، کسرہ، سکون۔

(٧٦)

حکمائے ہندوستان نے اپنے ملک کو **چار** ہی ذاتوں میں تقسیم کیا ہے: برہمن، چھتری، بیس، شدر۔

(٧٧)

ہندوستان کے مسلمانوں نے بھی اپنے کو **چار** ہی ذاتوں میں محدود کرلیا ہے: شیخ، سید، مغل، پٹھان۔

(٧٨)

ہندوؤں کی مذہبی **چار** ہی کتابیں ہیں: رگ بید، ججر بید، سیام بید، اتھر بن بید۔

(٧٩)

حکیم بیاس نے- جو فلاسفۂ ہندوستان کا اُستاد گزرا ہے- دنیا کی اس زندگی کو **چار** ہی دور پر تقسیم کیا ہے: اوّل جُک، دوسرا تر تیا، تیسرا دوآپر، چوتھا کل جگ۔

(٨٠)

حکیم بید پا برہمن- جو ہندوستان کا بہت بڑا اُستاد حکیم گزرا ہے- لکھتا ہے کہ میں نے **چار** ہزار کلماتِ حکمت جمع کیے تھے جن میں سے فقط **چار** کلمات کو میں نے یاد کرلیا، جن میں دو تو یاد رکھنے کے قابل ہیں: اللہ اور اپنی موت۔ اور دو بھلا دینے کے قابل ہیں: ایک اِحسان جو دوسروں کے ساتھ خود کرے، دوسرے بدی جو دوسرے سے اپنے کو پہنچے۔

(۸۱)

حال کے جغرافیہ دانوں نے دنیا کو **چار** اقلیموں پر تقسیم کیا ہے: ایشیا، یورپ، امریکا، افریقہ۔

(۸۲)

دن میں **چار** پہر، اور رات کے **چار** پہر ہوتے ہیں۔

(۸۳)

اللہ نے زمین پر **چار** ہی قسم کی مخلوقات پیدا کیں: انسان، حیوان، نبات، جماد۔

(۸۴)

انسان کے چہرہ پر آنکھ، ناک، کان، اور منہ **چار** ہی چیزیں ہیں۔

(۸۵)

مزے (ذائقے) **چار** ہی ہیں: (۱) میٹھا (۲) کھٹا (۳) کڑوا (۴) پھیکا۔

(۸۶)

سال کے بارہ مہینوں میں اوّل و آخر **چار** ہیں: ربیع الاوّل، ربیع الآخر، جمادی الاولیٰ، جمادی الآخرہ۔

(۸۷)

ہر سال میں **چار** ہی فصلیں ہوتی ہیں: جاڑا، گرمی، بہار، خزاں۔

(۸۸)

ہر مہینے میں **چار** ہی ہفتے ہوتے ہیں۔

(۸۹)

ہر ہفتہ میں ایک ہی (دن) **چار** شنبہ ہوتا ہے۔

(۹۰)

ہندوستان کی صفت **چار** دانگ مشہور ہے۔

(۹۱)

انسان کو اللہ تعالیٰ نے **چار** ہی نفسیں عنایت فرمائی ہیں: نفس امارہ، نفس لوامہ، نفس ناطقہ، نفس مطمئنہ۔

(۹۲)

راوٹی (تمبو) میں **چار** ہی گوشے ہوتے ہیں، اور اسی لیے فارسی میں اس کو **چار** طاق کہتے ہیں۔

(۹۳)

ایک پھول لالۂ کو ہی ہوتا ہے جس میں **چار** ہی پتیاں ہوتی ہیں، اسی لیے فارسی میں اس کو **چار** برگ کہتے ہیں۔

(۹۴)

اِسلام میں: شریعت، طریقت، معرفت، اور حقیقت **چار** ہی منزلیں طے کرنی ہوتی ہیں۔

(۹۵)

دنیا میں **چار** ہی ندیاں جو بہشتی کہلاتی ہیں: نیل، فرات، دجلہ، جیحون۔

(۹۶)

علم موسیقی میں ایک ساز ہے جس میں باتفاق علماے موسیقی **چار** وصل ہیں، اور اسی لیے فارسی میں اس کو **چار** پارہ کہتے ہیں۔

(۹۷)

پرانے زمانے میں جنگ کے واسطے ایک لباس **چار** آئینہ بناتے تھے جس میں لوہے کے **چار** تختے ہوتے تھے۔

(۹۸)

پیدائش سے لے کر مرتے وقت تک انسان کی **چار** ہی حالتیں ہوتی ہیں: بچپنا، جوانی، ادھیڑ پن، بڑھاپا۔

(۹۹)

ماہر فن کوک شاشتر نے عورتوں کو **چار** ہی قسموں میں محصور کیا ہے: پدمنی، شکھنی، چترنی، ہستنی۔

(۱۰۰)

مہذب انسان کو بدن چھپانے کے لیے **چار** ہی کپڑوں کی ضرورت پڑا کرتی ہے: (ایک) سر کے لیے (دوسرے) سینے وغیرہ کے لیے (تیسرے) ٹانگ وغیرہ کے لیے، اور (چوتھے) پاؤں کے لیے۔

(۱۰۱)

خلیفہ مامون رشید عباسی رحمہ اللہ- جس کو قاضی نور اللہ شستری شیعی نے اپنی کتاب 'مجالس المومنین' میں شیعہ لکھا ہے- کا مقولہ ہے کہ میں نے **چار** فرقوں میں **چار** باتیں پائیں: (۱) اہل سنت و جماعت میں حق (۲) شیعوں میں جھوٹ (۳) اہل حدیث میں رعونت اور (۴) معتزلہ میں زہد۔

(۱۰۲)

دنیا بھر نے مان لیا ہے کہ سمت **چار** ہی ہیں: (۱) مشرق (۲) مغرب (۳) جنوب (۴) شمال۔ اوران **چاروں** الفاظ میں سے ہر ایک لفظ میں **چار** ہی **چار** حروف ہیں۔

(۱۰۳)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حقیقی نائب اور خلفا جن کی خلافت راشدہ ہے **چار** ہی ہیں۔

اوّل: امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

دوم: امیر المومنین حضرت ابوحفص عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سوم: امیر المومنین دامادِ نبی حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ تعالیٰ عنہ

چہارم: امیر المومنین داماد نبی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

سمت **چار** ہیں، اس لیے خلفاے راشدین کا **چار** ہونا بھی بہت مناسب تھا۔

(۱۰۴)

اہل سنت و جماعت کے حق میں اور مقبول مذہب میں بھی **چار** ہی مجتہد مقبول ہیں:

اوّل: امام ابوحنیفہ امام اعظم رحمہ اللہ تعالیٰ

دوسرے: امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ تعالیٰ

تیسرے: امام مالک بن انس رحمہ اللہ تعالیٰ

چوتھے: امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ

(۱۰۵)

دنیا کی **چار** قومیں **چار** طوفان میں تباہ ہوئیں: (۱) حضرت نوح کی قوم پانی کے طوفان سے (۲) حضرت ہود کی قوم ہوا کے طوفان سے (۳) حضرت لوط کی قوم آگ کے طوفان سے (۴) حضرت صالح کی قوم خاک کے طوفان سے۔

(۱۰۶)

جو قوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سے بہترین رسل کی بہترین اُمم کے بہترین نفوس خلفاے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو برا بھلا کہتی اور گالیاں دیتی ہے **چاروں** طوفان سے بڑھ کر کسی بدترین بلا میں مبتلا ہوں، تو عجب نہیں!۔

(۱۰۷)

ایک ضعیف حدیث میں وارد ہے کہ **چار** چیزیں **چار** چیزوں سے کبھی سیر نہیں ہوتیں: (۱) زمین پانی سے (۲) آنکھ دیکھنے سے (۳) کان سننے سے (۴) طالب علم، علم سے۔

(۱۰۸)

مسلم، مومن، یہود، مجوس، ہندو سب میں **چار** ہی **چار** حروف ہیں۔

(۱۰۹)

نماز پانچ وقتوں کی فرض ہے جن میں تین وقتوں میں **چار چار** رکعتیں ہیں: ظہر چار،

عصر چار، مغرب چار۔اور اس میں یہ اشارہ ہے کہ تین خلفاے برحق حضرت ابوبکر وحضرت فاروق اعظم وحضرت عثمان ذوالنورین علیٰ نبینا وعلیهم السلام وعلى أعدائهم اللعنة برحق تھے۔

(۱۱۰)

اگر فرض بھی کرلیا جائے کہ بارہ کی عدد بہت پسندیدہ ہے تو اتنا تو ضرور تسلیم کرنا پڑے گا کہ تقدم چار ہی کو ہے۔اور وہ بارہ خود چار کی وجہ سے قائم ہے؛ کیونکہ بغیر چار کے بارہ آئے گا کہاں سے اور بنے گا کیوں کر!۔

جتنی فضیلتیں بارہ کی بیان کی جائیں گی چار ان فضائل میں شامل ہوجائے گا؛ لیکن چار کی جو فضیلتیں ہیں ان میں بارہ شامل نہیں ہوسکتا پس چار بارہ سے بہر طور خاص اور افضل وبہتر ٹھہرا۔

تیسرا باب

اِمامت

چار کے فضائل بیان ہو چکے تو اب ہم امامت کی بحث لکھ کر اپنا وعدہ پورا کرتے ہیں۔

واضح ہو کہ اِمام کا اطلاق تین معنوں پر ہوتا ہے :

(۱) امام اس شخص کو بھی کہا جاتا ہے جس کی نماز میں اقتدا کی جائے اور جس کو عوام الناس پیش امام کہتے ہیں۔

(۲) دوسرے امام کا لفظ اس فرد انسان پر بھی بولا جاتا ہے جو کسی فن یا علم میں خاص مہارت اور کمال رکھتا ہو مثلاً فقہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور امام شافعی وغیرہ، یا فن حدیث میں امام جعفر صادق، امام بخاری، امام ابن جوزی، یا کلام وفلسفہ میں امام فخر الدین رازی، امام غزالی، یا عقائد میں امام احمد، یا نحو میں امام کسائی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

(۳) تیسرے امام خلیفہ کا مرادف لفظ ہے۔ اصطلاحِ شرع شریف میں امام وخلیفہ اس شخص غالب کو کہتے ہیں جس کے ہاتھ میں مسلمانوں کی باگ ہو، جو دینی و دنیاوی دونوں حیثیتوں سے دنیائے اسلام کا فرماں روا ہو۔

امامت کی تعریف یہ ہے :

هي الرياسة العامة .....لإقامة الدين باحياء العلوم الدينية وإقامة أركان الإسلام والقيام بالجهاد وما يتعلق به من ترتيب الجيوش والقيام بالقضاء وإقامة الحدود ورفع

المظالم والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر نيابة عن النبي صلى اللّٰه عليه وآله وسلم .

امامت وہ عام ریاست ہے پیش آنے میں واسطے دین کے قائم رکھنے کے علوم دینیہ کی اشاعت کے ساتھ اور واسطے ارکان اسلام کے برپا رکھنے کے اور واسطے جہاد کرنے کے اور واسطے قائم کرنے ان چیزوں کے جو جہاد سے متعلق ہیں مثلاً لشکروغیرہ کا ترتیب دینا اور واسطے قائم کرنے قضا کے اور واسطے قائم کرنے حدود کے اور واسطے مظالم کے اُٹھانے کے اور اچھی باتوں کے حکم کرنے اور برائیوں سے منع کرنے کے دراں حالیکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت ہے۔

امامت کی اس تعریف کا ہر ہر جز قرآن و احادیث متواترہ سے ثابت ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے، آپ نے خلق اللہ کے ساتھ معاملات کیے۔ ہر معاملہ کے واسطے ایک عامل تعینات فرمایا۔ ہر بات میں اہتمام عظیم کیا اور اسی ضمن میں علوم دینیہ کی اشاعت اور پند و نصیحت بھی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ، عیدین اور پنج وقتہ نمازوں کی جماعت میں خود امامت کرتے تھے۔ دوسرے مقامات میں نماز پڑھانے کے لیے امام مقرر فرماتے تھے۔ زکوٰۃ وصدقات کے لیے الگ عمال مقرر کرتے تھے، جو مسلمانوں سے مال وصول کر کے مصارف میں خرچ کرتے تھے۔ رمضان وعید کی رؤیت ہلال میں آپ شہادتیں سنتے تھے اور جب صحیح شہادت ثابت ہو لیتی تو روزہ یا افطار کا حکم نافذ فرماتے۔

حج کا اِنتظام آپ خود کرتے تھے۔ چنانچہ نویں سال جب آپ خود مکہ معظّمہ نہ جا سکے تو اپنی جگہ امیر المومنین ابوبکر صدیق کو بھیجا، تاکہ حاجیوں کے ساتھ حج کا انتظام کریں۔ ان امور کے علاوہ امیروں اور والیوں کا نصب کرنا، لشکروں کا بھیجنا اور ترتیب دینا، غزوات کا قائم کرنا، لڑائیوں اور خصومتوں کا فیصلہ، بلادِ اسلام میں قاضیوں کا مقرر کرنا، حدود کا جاری

کرنا، بھلائیوں کا حکم کرنا اور برائیوں سے روکنا۔

ان سب امور کا انتظام جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود کرتے تھے وہ محتاج بیان نہیں ہیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا، تو ایک ایسے شخص کا امام اور مسلمانوں کا امیر ہونا واجب ہوا جو ان تمام باتوں میں رسول اللہ ﷺ کی نیابت اور قائم مقامی کرے۔

علمائے امت، شہروں کے قاضی اور اُمرائے لشکر خلیفہ یا امام نہیں کہے جاسکتے؛ کیونکہ وہ ریاست عامہ نہیں رکھتے۔

اِمام وخلیفہ کی اس تعریف سے ثابت ہوا کہ جن بارہ بزرگوں کو شیعہ-ہداہم اللہ- ائمہ معصومین پکارتے ہیں ان میں سوائے حضرت علی اور امام حسن کے کوئی شرعی امام نہ تھا، نہ ان کی وجاہت ودبدبہ ایسا تھا، نہ وہ فرماں روا تھے، نہ وہ شرعی حدود جاری کر سکتے تھے، نہ جاری کیے اور نہ وہ ملک میں کسی طرح کا اختیار رکھتے تھے۔

مسئلہ: امام مستجمع شروط کا قائم اور نصب کرنا اُمت پر فرض کفایہ ہے۔

اوّلاً اس وجہ سے کہ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

من مات ولیس فی عنقہٖ بیعة مات میتة جاھلیة .(۱)

یعنی جو شخص مرا درانحالیکہ اس کی گردن میں بیعت نہیں ہے تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

ثانیاً: اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے قضاءت، علوم دین کا شائع کرنا، ارکان اسلام کا قائم کرنا، حدود اسلام کے جاری کرنے اور اسلام پر سے غلبہ کفار کے دفع کرنے کو فرض کیا ہے اور یہ امر بغیر امامت کے صورت پذیر ہو ہی نہیں سکتا۔ واجب کا مقدمہ واجب ہے، پس امام کا نصب کرنا اُمت پر واجب ٹھہرا۔

---

(۱) صحیح مسلم: ۱۴۷۸/۳ حدیث: ۱۸۴۹...... سنن بیہقی: ۱۵۶/۸ حدیث: ۱۷۰۵۵۔

ثالثاً: اس وجہ سے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انتقال فرمایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آپ کو دفن کرنے سے پہلے خلیفہ کی تعیین میں مشورہ کرنے لگے، پس اگر خلیفہ کا متعین کرنا ایسا کچھ ضروری اور واجب اَمر نہ ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن پر تعیین اِمام کو صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین مقدم نہ فرماتے۔

مگر شیعہ یہاں ایک اعتراض کرتے ہیں، چنانچہ اصلاح کے اڈیٹر صاحب پرچۂ ماہ رجب وشعبان جلد نمبر ے میں اس طرح گہر ریزی فرماتے ہیں کہ 'کیا پیشوا کی یہی وقعت ہے کہ مرنے کے بعد اس کا جنازہ بلا دفن وکفن چھوڑ کر گوہر مقصود کے لوٹنے کے لیے (جس غرض سے مسلمان ہوئے تھے) سقیفہ کی طرف دوڑے جائیں اور خلیفہ بازی میں مصروف ہوں۔ چنانچہ مولانا ے روم صاحب سے باوجود سنی ہونے کے بھی نہ رہا گیا اور اس سچے واقعہ کو نظم ہی کر ڈالا ؎

چوں صحابہ حب دنیا داشتند　　　مصطفیٰ را بے کفن بگزاشتند

شرم! شرم!! شرم!!!'

الجواب: تفصیلی جواب تو ناظرین تحفہ اثناعشریہ وصواعق محرقہ وغیرہ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں صرف مختصر اور ترکی بہ ترکی دینے پر کفایت کرتا ہوں۔

اوّل: تجہیز وتکفین اہل بیت کے ذمہ ہے، پس اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا جنازہ بلا تجہیز وتکفین رہا تو یہ شرمناک الزام حضرت علی وغیرہ کے سر تھوپنا چاہیے، ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما پر یہ الزام ہٹ دھرمی اور بے ایمانی کی دلیل ہے۔ باقی رہا یہ کہ بلا دفن کے چھوڑنا، سو یہ اڈیٹر صاحب کا نرا سفید جھوٹ ہے؛ کیوں کہ تواریخ معتبرہ سے ثابت ہے کہ ابوبکر وغیرہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم رسول اللہ ﷺ کے دفن میں شریک تھے۔

دوم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا: الائمة من قريش یعنی امام قریشی ہی ہونا چاہیے۔ ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان (معاذ اللہ) حضرت علی کی

طرح بھلا نہیں بیٹھتے تھے؛ اس لیے جب انہوں نے سنا کہ قبیلہ سقیفہ کے لوگ اپنے میں سے کسی کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں تو یہ امر ان پر شاق گزرا؛ کیوں کہ علاوہ اس کے کہ یہ امر رسول اللہ ﷺ کے خلاف تھا، ایسا ہونے میں نت نئے فسادوں کا اندیشہ تھا۔

قریشی خلافت پر تو شیعہ اَب تک اتنا روتے پیٹتے ہیں۔ انصار میں خلافت ہوئی تو یہ مبغضین صحابہ رسول کیا کچھ نہ کہتے، مگر نہیں! ان کو تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کی توہین مقصود تھی، اس طرح بھی کہتے ہیں جب اور زیادہ کہنے کا موقع ملتا۔

الغرض! صحابہ کبار نے دیکھا کہ فرمان رسول اللہ ﷺ کے خلاف انصار اپنے میں سے خلیفہ کرتے ہیں اور رسول ﷺ کی مخالفت اور خطرات آئندہ سے کچھ خوف نہیں کرتے ہراساں ہوئے اور یہ سمجھ کر کہ تجہیز و تکفین خاص اہل بیت کا حق ہے اور اپنے نہ رہنے سے کوئی حرج بھی نہیں؛ لیکن یہاں ٹھہرنے میں جو وہاں انصاری خلیفہ قائم ہو گیا تو بڑا فساد ہو گا؛ اس لیے سقیفہ کی طرف جانا ضرور ہوا۔

چنانچہ حدیث شریف میں وارد ہے کہ 'جب تم دو مشکلوں میں پڑو تو آسان کو ان دونوں میں سے اختیار کرلو' اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِنتقال ہو چکا تھا اب یہاں نہ ٹھہرنے میں کوئی عقلی و شرعی حرج نہ تھا اور ٹھہرنے میں نقصانِ عظیم متصور؛ اس لیے دوسری صورت پر پہلی آسان صورت کو مقدم کیا تو اب شیعہ فرمائیں کہ کون سا جرمِ شرعی ان پر عائد ہوا!۔

سوم: اڈیٹر صاحب نے قوسین کے اندر یہ بیٹ کر دیا ہے کہ 'اسی (خلافت) کی غرض سے مسلمان ہوئے تھے'۔

جواب قرآن میں تو خدا اپنے ہی کو عالم الغیب فرماتا ہے؛ مگر شاید چوک ہوئی کہ شیعوں کو عالم الغیب نہیں لکھا جو اگلوں کی دلی منشا و غرض کو سمجھ جاتے ہیں۔

بے شک منافقین کا یہی مذہب ہے کہ صحابہ دنیاوی طمع سے اور خلافت حاصل کرنے

کی لالچ میں مسلمان ہوئے تھے، حالانکہ خود شیعہ کی کتب تواریخ اس کا بطلان کر رہی ہیں اور یہ کہنا تو جب صحیح ہوتا جب یہ لوگ عالم الغیب ہوتے اور جانتے کہ ہم کو خلافت مل کے رہے گی حالانکہ شیعہ اس کو تسلیم نہیں کریں گے۔

پھر تواریخ معتبرہ سے یہ بھی ثابت ہے کہ خلفائے ثلاثہ رضی اللہ عنہم نے کبھی امر خلافت سے کوئی فائدہ نہیں اٹھایا، نہ اچھے کپڑے پہنے، نہ اچھے کھانے کھائے، نہ مال و دولت جمع کیا، نہ اپنے بعد اپنے عزیز واقارب میں سے کسی کو خلیفہ بنایا۔ تو جب یہ کچھ نہیں کیا تو کون سی دنیاوی حرص تھی جس نے خلافت کے غصب کرنے پر ان کو جرأت دلائی۔

چہارم: اڈیٹر صاحب کا یہ تشنیع آمیز جملہ کہ 'گوہر مقصود لوٹنے کے لیے جس غرض سے مسلمان ہوے تھے سقیفہ کی طرف دوڑے جائیں اور خلیفہ بازی میں مصروف ہوں' اس قابل ہے کہ اس کا جواب ترکی بترکی دیا جائے۔

تو اے جناب! یہی خلیفہ بازی ہے جس کے لیے امام حسین نے اپنے اہل بیت کا خون کرالیا، بی بیوں کا فضیحتا کرایا، اپنے کو ذبح کرایا اور (اپنے کو) اور اپنے بھائی امام حسن اور اپنے باپ حضرت علی کی طرح تقیہ نہیں کیا بلکہ ملک و مال کی لالچ میں سب کچھ کر ڈالا۔ اے حضرت! خلیفہ بازی ایسی ہی چیز ہے۔

یہی وہ گوہر مقصود ہے اور اسی کی تمنا آپ کے امام حسن کو تھی جنہوں نے باوجود اس کے کہ حضرت علی نے اس کے لیے اپنی بی بی کی رسوائی گوارا کی، در بدر مدد مانگتے پھرے جس کے لیے امام حسین نے اپنے خاندان والوں کو (بقول بعض) ناحق قتل کرایا، امام حسن نے ایسی خلافت کو امیر معاویہ کے ہاتھ چند ٹھیکریوں کے عوض میں (جس کی ان کو طمع تھی) بیچ ڈالا اور بنو علی کے رہے سہے حق خلافت کو بھی بقول شیعہ تباہ و ضائع کر دیا۔(۱)

(۱) یہ سب باتیں شیعوں کی کتابوں میں مندرج ہیں۔ ناظرین انیس و دبیر کے مرثیے اور قاضی نور اللہ شستری وغیرہ کی تصانیف ملاحظہ فرمائیں۔ نقل کفر کفر نباشد۔

تو اے شیعو! مال و دولت کی طمع تمہارے اِماموں کو تھی جو خلافت کو بیچ کر عورتوں کے پیچھے صرف کرتے تھے اور روز نکاح و طلاق ہوتا تھا۔ شرم! شرم!!

اور دن رات متعہ بازی میں لگے رہتے تھے۔ شرم! شرم!! شرم!!!

بے شک انہوں نے خلافت سے دنیاوی فوائد اٹھانے چاہے اور فائدے اٹھائے۔ کما لا یخفی.

پنجم: پھر اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ 'مولانا ے روم (کیوں جناب! یہ مولانا ے روم میں ی کیسی ہے؟) سے باوجود سنی ہونے کے نہ رہا گیا اور اس سچے واقعہ کو نظم ہی کر ڈالا۔

چوں صحابہ حب دنیا داشتند مصطفیٰ را بے کفن بگزاشتند

مگر اڈیٹر صاحب ناحق اس شعر کو سنیوں کے الزام دینے کے لیے سند لاتے ہیں۔

اوّل: تو یہ شعر ہرگز سنی مولانا روم کا نہیں ہے۔ یا تو کوئی شیعہ مولوی روم ہوں گے یا کسی شیعہ صاحب کی دستبردی و چالاکی ہوگی۔ (دیکھو تحفہ مکائد شیعہ)

دوسرے: یہ کہ ان حضرات شیعہ کے شہید ثالث قاضی نور اللہ صاحب شستری نے مولانا روم کو مومنین شیعہ میں درج کیا ہے، پھر اڈیٹر صاحب شیعہ مولانا روم کے شعر کو سنیوں پر حجت کیوں لاتے ہیں!۔

واقعی شیعوں کے بھی عجب عجب مکائد ہیں کہ اپنے ہی علما کے اقوال کے اپنے دعویٰ پر دلیل لاتے ہیں، اس پر طرہ یہ کہ سنیوں کو الزام دیتے ہیں۔ کبھی تو ان کو شیعہ پاک کہہ کر اپنی کتاب کو زینت دیتے ہیں اور کبھی سنی کہہ کر سنیوں کے مقابل میں ان کے اقوال سے سنیوں کو الزام دیتے ہیں۔

تیسرے: یہ کہ بفرض محال اگر سنی ہی مولانا روم کا یہ صحیح شعر ثابت ہو جائے تو مولانا روم کچھ سنیوں کے مجتہد یا امام نہ تھے جو ان کا قول ان کے لیے قطعی سند ہو جائے۔ سنیوں کا

مذہب تو کتاب وسنت ہے۔ پس جس کا مسلک ان دونوں کے خلاف ہو اس کا قول ساقط عن الاعتبار ہے جیسا کہ شیعوں کا مذہب بھی ہے کہ اپنے بعض علما کے ان اقوال کو تسلیم نہیں کرتے جو ان کے سواد اعظم کے خلاف ہے۔

چوتھے: یہ کہ اس شعر سے سنیوں کو الزام دینا بشرطیکہ سنی مولانا روم کا شعر ہو کمال سفاہت ہے؛ کیوں کہ یہ الزام ابوبکر وعمر وغیرہ پر عائد نہیں ہوتا کہ انہوں نے مصطفیٰ کو بے کفن چھوڑا بلکہ حضرت علی اور دیگر اہل بیت پر وارد ہوتا ہے؛ کیوں کہ کفن دینا اہل بیت کا حق تھا، نہ دوسرے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کا جیسا کہ وقوع میں آیا۔

تو شعر کے معنی یہ ہوں گے کہ حضرت علی اور اہل بیت چونکہ دنیا کی محبت میں پھنسے تھے اس لیے مصطفیٰ کو بلا کفن چھوڑ دیا ع:

ہم اِلزام ان کو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

پانچویں: یہ کہ شیعوں کے معتقدات میں داخل ہے کہ حضرت آدم نے صریح حکم خدا کے خلاف کیا اور درخت کا پھل کھالیا۔ اسی طرح حضرت یونس نے بھی حکم خدا کا کچھ لحاظ نہ کیا اور جب پیغمبرانِ خدا نے خدا کا صریح حکم نہ مانا تو ابوبکر وعمر یا صحابہ اور امام نے اگر پیغمبر کے دو ایک حکم کے خلاف کر دیا تو کون سا عجیب کام کیا جو محل طعن ہو!۔

شیعہ کے نزدیک اِمام کی تعریف یہ ہے کہ ہر زمانہ میں ایک ایسے امام مفترض الطاعۃ کا وجود واجب ہے جو گناہوں اور اجتہادی خطاؤں سے معصوم ہو، صاحب معجزات ہو، اللہ کی طرف سے اس پر وحی آتی ہو۔

اور کچھ شک نہیں کہ یہ تعریف درحقیقت ختم نبوت سے انکار ہے؛ اس لیے کہ لفظ نبی کا مفہوم بھی اس سے زیادہ نہیں ہے کہ نبی وہ فرد ہے جو مبعوث ہو خلق کے واسطے خدا کی طرف سے اس پر وحی آتی ہو، گناہ وخطا سے معصوم ہو، اور معجزات کے ساتھ تحدی کرے۔

شیعہ یہ سب باتیں اِمام میں ثابت کرتے ہیں پس حقیقت میں وہ بارہ اماموں کی نبوت کے قائل ہیں حالانکہ اس سے بدتر کوئی عقیدہ ہونہیں سکتا بلکہ میں تو کہتا ہوں کہ شیعہ حضرت علی کو جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی افضل سمجھتے ہیں اور اس سمجھ کے کفر ہونے میں کلام نہیں، چنانچہ ایک معزز شیعہ شاعر کا شعر ہے۔

محمد پر علی کو گو شرف ہم دے نہیں سکتے
مگر اپنے سے بہتر ڈھونڈ ھ کر داماد کرتے ہیں

ناظرین! غور فرمائیں کہ یہ بدعقیدہ شاعر صریحی حضرت علی کو رسول خدا پر ترجیح دے رہا ہے اور ناحق پہلے شعر میں تقیہ کے سے منافقانہ الفاظ بک گیا ہے۔

جواب: اوّلاً تو یہ ہندستان کے ہندوؤں کی رسم ہے کہ اپنے سے بہتر داماد ڈھونڈ ھتے ہیں، اہل اسلام خصوصاً عرب میں ہرگز یہ بات نہیں تھی اور نہ ہے۔شاید اِن شیعہ صاحب کے اعتقاد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہندو مذہب کے مقلد تھے۔ بلا شک شیعہ حضرات کے ایسے ہی اعتقادات ہیں۔

دوسرے: اگر یہ صحیح بھی ہو تو لازم آیا کہ عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ حضرت علی سے بھی افضل ہوں؛ کیوں کہ علی سے ایک بیٹی اور عثمان سے رسول ﷺ کی دو بیٹیاں بیاہی تھیں پھر اسی بنا پر فاروق اعظمؓ ام کلثوم کے شوہر اور فاطمہ وعلی کے داماد ان دونوں سے افضل وبہتر ٹھہریں گے۔اور اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ وہ ان دونوں سے افضل تر تھے۔ پس ہم اس قدر ضرور شیعوں کے ممنون ومشکور ہیں کہ وہ دل سے درحقیقت خلفاے ثلاثہ رضی اللہ عنہم کو سب سے بہتر تسلیم کرتے ہیں گو بچند وجوہ زبان سے نہ کہہ سکیں۔

پھر انھیں پر کیا منحصر ہے بارہ اماموں کے جتنے داماد تھے وہ سب بارہ اماموں سے بہتر ہوں گے،سبحان اللہ! کیا اچھا اُصول ہے شیعہ مذہب کا۔

ہمارے مذہب حق میں امامت کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ اُمت پر واجب ہے کہ اپنے میں سے ایک شخص کو جہاد کے لیے فیصل قضایا کے لیے ظالم سے مظلوم کا حق لینے کے لیے، زکوۃ، جزیہ اور خراج وصول کر کے مستحقین پر تقسیم کرنے کے لیے اور جماعت وجمعہ وغیرہ قائم کرنے کے لیے متعین کرے۔

مولوی عبدالقادر صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ ابن مولوی صاحب علی خان مرحوم گھوسوی اسی شرعی امامت کے مدعی ہیں؛ مگر اِلی الآن اپنے مقصد میں ناکام ہیں۔

ہمارے ہندوستان کے مسلمانوں کو سرکار انگلشیہ کے سایۂ دولت میں ہر طرح کا امن وامان حاصل ہے؛ لیکن چند شرعی باتوں کی کمی ہے۔ اگر یہ فیاض سلطنت اس کمی کو بھی کسی طرح پورا کردے تو غالباً ہندستان کے اہل اسلام کو ہندستان میں رہ کر خلیفہ کی ضرورت نہ رہے۔

امامت کی تعریف بیان ہوچکی تو اب اس کے شروط بیان کیے جاتے ہیں کہ امام میں کن کن شرطوں، کن کن باتوں، اور کن کن صفتوں کا ہونا ضروری ہے۔

شروط امامت

شرط اوّل

مسلمان ہونا ہے۔ پس کافر مسلمانوں کی امامت نہیں کر سکتا، نہ یہ جائز ہے کہ مسلمانوں کا امام کافر ہو؛ کیوں کہ جو امور امام سے متعلق ہیں وہ کافر سے انجام ہو نہیں سکتے۔

دوسری شرط

عاقل ہونا ہے؛ اس لیے کہ مجنون اور بیوقوف اپنے تصرفاتِ جزئیہ سے مجبور ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمْ یعنی اپنا مال بیوقوفوں کو نہ دو۔ پس بیوقوف جب اپنے مال پر قادر نہیں ہے تو عام مسلمانوں کے مال و جان پر اس کا تصرف کیوں کر جائز ہوگا!۔

تیسری شرط

مرد ہونا ہے۔ پس عورت کی امامت صحیح نہیں ہے؛ کیوں کہ بخاری شریف میں حدیث وارد ہے: ما أفلح قوم ولو أمرهم امرأة. جب آنحضرت کو خبر پہنچی کہ فارس والوں نے کسریٰ کی بیٹی کو اپنا بادشاہ بنایا تو آپ نے فرمایا کہ وہ قوم کبھی فلاح نہ پائے گی جس نے عورت کو اپنا فرماں روا بنایا۔ پس خلافت و بادشاہت میں عورت کا حق ہی نہیں ہے۔ اس سے

ظاہر ہے کہ حضرت علی اور بنو علی کو خلافت میں کوئی حق وراثت نہیں تھا جیسا کہ شیعوں کا باطل خیال ہے؛ کیوں کہ حضرت علی یا بنو علی کو کوئی حق تھا بھی تو حضرت فاطمہ کی جہت سے تھا، وہ لوگ بذاتِ خود کوئی حق وراثت نہیں رکھتے تھے۔اور جب اصل ہی کو کوئی حق نہیں تھا تو ان کو کہاں سے حق حاصل ہوا۔اور بفرض محال کچھ حق تھا بھی تو اس کو امام حسن رضی اللہ عنہ نے اَمیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بیچ ڈالا اور خود امر خلافت سے دست بردار ہو گئے۔

چوتھی شرط

آزاد ہونا ہے۔پس غلام کی امامت صحیح نہیں ہے؛ اس لیے کہ خصومت میں غلام قابل شہادت نہیں ہے۔ عام نظروں میں وہ حقیر و ذلیل ہوگا۔علاوہ اس کے غلام پر اپنے مالک کی خدمت گزاری واجب ہے۔

پانچویں شرط

بولنے والا، سننے والا اور دیکھنے والا ہو، گونگے بہرے اور اندھے کی امامت احسن نہیں ہے؛ اس لیے کہ خلیفہ وامام کو اس طرح حکم کرنا واجب ہے جس میں شبہہ واقع نہ ہو اور مدعی و مدعا علیہ، مقرر ومقرر لہ، اور شاہد ومشہود علیہ کا پہچاننا اور ان کے کلام کا سننا ضروریات سے ہے۔قاضیوں کا مقرر کرنا، عمال کا متعین کرنا اور لشکر وغیرہ کی ترتیب وغیرہ یہ سب کام بغیر اعضا کی سلامتی کے نہیں ہو سکتے۔

چھٹویں شرط

شجاع ہونا ہے اور جنگ وصلح میں صاحب رائے ہونا ہے۔ نہ تو عشرت پسند ہو اور نہ

نا کردہ کار ہو جو کام ہی کو خبط کر دے؛ اس لیے کہ جنگ وغیرہ کے سے مہم امور جب تک شجاع نہ ہو، نہیں کرسکتا۔ درانحالیکہ جنگ وغیرہ امامت کے مہمات میں سے ہے جس سے کسی بادشاہ کو چارہ نہیں ہے۔

ساتویں شرط

عادل ہونا ہے۔ یعنی کبیرہ گناہوں سے حتی الامکان دور رہے اور گناہوں کے اِرتکاب پر اِصرار نہ کرے، صاحب مروّت ہو، ہرزہ گو اور نافرمان نہ ہو کہ کسی کی بات ہی نہ سنے۔ سنیوں کا مقبول ومبرہن مذہب ہے کہ علم واجتہاد میں امام کا معصوم و بے خطا ہونا ضرور نہیں ہے اور نہ یہ امامت کی شرط ہے کہ اس سے گناہ کا سرزد ہونا ممتنع ہو، البتہ امام نصب کرنے کے وقت اتنا چاہیے کہ وہ کبیرہ گناہوں کا مرتکب نہ ہو اور صغیرہ گناہوں پر اِصرار نہ کرے اور یہی عدالت ہے۔

فرقۂ شیعہ خصوص فرقۂ اسماعیلیہ کہتا ہے کہ نہیں! خطا و گناہ سے معصوم ہونا اور اس سے گناہ کا سرزد نہ ہونا شرط امامت ہے پس جو امر انبیا کا خاصہ ہے اسے امامت کی شرط گردانتے ہیں۔ حالانکہ یہ کتاب وعترت دونوں کے خلاف ہے۔ قرآن میں اللہ فرماتا ہے :

اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا . (سورۂ بقرہ:۲/۲۴۷)

یعنی اللہ تعالیٰ نے تمہارے واسطے طالوت کو بادشاہ مقرر کیا ہے۔

پس طالوت امام مفترض الطاعت تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے نصب فرمایا تھا حالانکہ وہ بالاجماع معصوم نہیں تھے بلکہ آخر آخر میں طالوت کے جو معاملات موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ وقوع پذیر ہوئے وہ ان کی عدالت میں خلل ڈالتے ہیں چہ جائیکہ معصوم ہوں۔

دوسری جگہ قرآن مجید میں حضرت آدم علیہ السلام کے باب میں فرمایا گیا ہے :

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْ الْاَرْضِ خَلِیْفَةً . (سورۂ بقرہ:۲/۳۰)

میں زمین میں (آدم کو) خلیفہ کرنے والا ہوں۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام نبوت سے پہلے امام اور زمین پر خلیفۃ اللہ تھے اور اس میں کچھ شبہہ نہیں کہ باتفاق شیعہ وسنی آپ سے گناہ سرزد ہوئی جیسا کہ قرآن میں ہے :

وَعَصیٰ آدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی . (سورۂ طٰہٰ:۲۰/۱۲۱)

اور نافرمانی کی آدم نے اپنے پروردگار سے پس بھٹک گئے۔

اور یہ قصہ خلافت وامامت کے زمانہ کا ہے۔نبوت کے زمانہ میں آپ سے کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ نہیں ہوا، جیسا کہ قرآن مجید میں ہے :

ثُمَّ اجْتَبَاهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَیْهِ وَهَدیٰ . (سورۂ طٰہٰ:۲۰/۱۲۲)

پھر آدم کو ان کے پروردگا نے پسند کرلیا پھر ان کی توبہ قبول کرلی اور ہدایت پر آ گئے۔

نہج البلاغہ میں حضرت علی مرتضیٰ کا قول ہے :

لابد للناس من أمیر برٍ أو فاجر .

یعنی انسان کے لیے ایک بھلے یا برے سردار کا ہونا ضروری ہے۔

پس شیعہ کو لازم نہیں ہے کہ اپنے معصوم امام کے قول سے اِنحراف کریں اور خواہ مخواہ کو قولِ معصوم کے خلاف امامت میں عصمت کی شرط بھی لگائیں۔

صاحب الفصول وغیرہ نے اپنی اپنی کتابوں میں روایت کی ہے کہ جب امام حسن بن علی رضی اللہ عنہما نے امیر معاویہ سے صلح کرلی تو امام حسین کو ناگوار ہوا اور آپ کو یہ مصالحت پسند نہ آئی اور فرماتے تھے :

لو جرَّ أنفی کان أحب إلی مما فعله أخي .

یعنی اگر میری ناک کھینچی جاتی تو میرے لیے اس سے زیادہ اچھا تھا جو میرے بھائی نے کیا ہے۔

پس معلوم ہوا کہ امام حسن نے جو امیر معاویہ کے ساتھ صلح کر لی وہ امام حسین کو ناگوار ہوا اور آپ نے اس کو بہت مکروہ سمجھا۔ جب ایک معصوم دوسرے معصوم کا تخطیہ کرے تو دونوں میں سے ایک کا خطا پر ہونا لازم ہے؛ کیوں کہ اجتماع نقیضین محال ہے۔ بہر حال! یا امام حسن معصوم نہ تھے یا امام حسین معصوم نہ تھے۔ پس عصمت امام جو شیعہ ثابت کرنا چاہتے ہیں ثابت نہیں ہو سکتی۔ پھر جو بات کتاب وعقل کے خلاف ہو وہ ثابت کیوں کر ہو سکتی ہے!۔

آٹھویں شرط

مجتہد ہونا ہے؛ اس لیے کہ خلیفہ کو قضاءت، علومِ دینیہ کی اشاعت، بھلائی کا حکم اور برائی سے روکنا ضروری ہے۔ اور امام جب تک مجتہد نہ ہو یہ کام کرنے سے مجبور ہوگا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ قاضی تین ہیں جن میں سے ایک جنتی اور دو جہنمی ہیں۔ ایک قاضی تو وہ ہے جس نے حق کو جان لیا اور حق پر حکم دیا تو یہ جنت میں جائے گا۔ دوسرا وہ ہے جس نے حق بات تو جان لی؛ مگر حکم میں اس نے ظلم کیا وہ جہنم میں جائے گا۔ تیسرا وہ ہے جو حق جانتا ہی نہیں اور جہالت کی قضاءت کرتا ہے سو یہ بھی جہنم میں جائے گا۔

اِجتہاد کے یہ معنی ہیں کہ فقہ کے تمام اَحکام دلائل اربعہ یعنی کتاب سنت اجماع اور قیاس سے واقف ہو اور حکم کو قوی دلیل سے پہچانتا ہو۔ پس اس زمانہ میں جو شخص پانچ علوم سے اچھی واقفیت رکھتا ہو وہ مجتہد کہا جا سکتا ہے۔ اوّل کتاب اللہ مع قراءت وتفسیر، دوسرے علم حدیث، تیسرے علم اقاویل سلف تا کہ اجماع سے تجاوز نہ کرے، چوتھے علم عربیت، پانچویں علم طرقِ استنباط۔

نویں شرط

قریشی ہونا ہے باعتبار نسب کے؛ اس لیے کہ حضرت صدیق اکبر سلام اللہ علیٰ نبینا وعلیہ نے انصار کو یہی کہہ کر خلافت سے باز رکھا تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: الأئمَّة من قريش. اس حدیث کے علاوہ اور بھی مشہور ومتواتر حدیثیں ہیں۔

دسویں شرط

کتابت جاننا یعنی لکھنا جانتا ہو؛ اس لیے کہ بہت سے اُمور اور مہماتِ دینیہ لکھنے پر موقوف ہیں؛ لیکن اس شرط سے بعض علما نے اختلاف کیا ہے اس بنا پر کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خود لکھنا نہیں جانتے تھے☆؛ مگر حق بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قیاس نہ کرنا چاہیے۔ فافهم وتدبر .

گیارہویں شرط

اِمام کو ضرور نہیں ہے کہ خدا کی طرف سے منصوص ومبعوث ہو؛ اس لیے کہ امام کا نصب کرنا مکلّفین پر واجب ہے (خدا پر واجب نہیں ہے) کہ حاجت کے وقت مصلحت پر نظر کر کے اپنے میں سے ایک شخص کو رئیس بنا دیں۔ پس رئیس و امام کا تعین مکلّفین کے ذمے اور ان کی صواب دید پر موقوف ہے تا کہ پھر امام کی اطاعت میں قصور نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے جا بجا بنی اسرائیل کے بعض فرقوں کے حق میں فرمایا ہے :

☆ اس باب میں حق بات یہ ہے کہ معلم کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکھنا سیکھا تو نہیں لیکن یہ آپ کا اعجاز تھا کہ آپ نہ صرف لکھنا جانتے تھے بلکہ لکھنے کا طریقہ بھی بتایا کرتے تھے۔ -قادری چڑیا کوٹی-

وَجَعَلۡنٰهُمۡ اَئِمَّةً ۔ (سورۂ انبیاء: ۷۳/۲۱)

ہم نے ان کو امام بنایا۔

وَنَجۡعَلَهُمۡ اَئِمَّةً وَّنَجۡعَلَهُمُ الۡوَارِثِيۡنَ ۔ (سورۂ قصص: ۵/۲۸)

اور (ہمارا اِرادہ ہے کہ) ہم ان کو امام بنائیں اور ان کو زمین کا وارث کریں۔

وَجَعَلَكُمۡ مُّلُوۡكًا وَّاٰتٰكُمۡ مَّا لَمۡ يُؤۡتِ اَحَدًا مِّنَ الۡعٰلَمِيۡنَ ۔

(سورۂ مائدہ: ۲۰/۵)

اور اللہ نے تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ چیز دی جو دنیا میں کسی شخص کو نہیں دی۔

وَهُوَ الَّذِيۡ جَعَلَكُمۡ خَلٰٓئِفَ فِي الۡاَرۡضِ ۔ (سورۂ فاطر: ۳۹/۳۵)

اللہ وہ ذات ہے جس نے تم کو زمین میں خلیفہ کیا۔

حالانکہ ان بادشاہوں، اماموں اور خلفا میں سے کسی بادشاہ وخلیفہ کی امامت پر نص الٰہی نہیں تھی بلکہ اہل حل وعقد نے ان کو بادشاہ بنایا۔

بنی اسرائیل کے ان فرقوں نے اپنی عقل وتدبیر سے ایک شخص کو تخت ریاست پر جگہ دی، یا وہ خلفا' شوکت وغلبہ سے مسلط ہو گئے اور دنیا والوں نے اطاعت پر سر تسلیم خم کر دیے۔ پس معلوم ہوا کہ امام وخلیفہ کرنے کے یہی معنی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس زمانے کے لوگوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ فلاں شخص کو اپنا رئیس بنائیں، پھر اگر اس میں اس کام کی لیاقت رہی تو امام عادل ہے، ورنہ جابر ہے۔

بارہویں شرط

اس کے لیے یہ ضرور نہیں ہے کہ وہ خدا کے نزدیک اپنے زمانہ کے تمام لوگوں سے افضل ہو؛ اس لیے کہ نص قرآن سے ثابت ہے کہ طالوت کو اللہ تعالیٰ نے خود خلیفہ وامام بنایا

حالانکہ حضرت شمویل اور حضرت داؤد موجود تھے اور وہ دونوں بالاتفاق طالوت سے افضل تھے۔ ہاں! اس قدر البتہ ہے کہ اگر اہل حل وعقد امام کو نصب کریں تو ان کو چاہیے کہ اپنے میں سے افضل شخص کو امام بنائیں؛ لیکن یہ افضلیت میں درکار ہے، یہ نہیں کہ سادہ دلی میں کامل ہو، بڑا متبحر عالم ہو، نجیب الطرفین سید ہو؛ کیونکہ ایسے لوگوں سے ایک گھر کی سرداری نہیں ہوسکتی، عام مسلمانوں کی امامت وہ کیا کریں گے بلکہ اس کی شرائط دوسری ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔

اَب واضح ہو کہ فرقہ شیعہ اِثناعشریہ، امامیہ جو اخیر کی دوشرطیں ہیں یا عصمت لے کر تین شرطیں امامت کے لیے ضروری ثابت کرتے ہیں وہ صرف اس وجہ سے کہ خلفاے ثلاثہ علیٰ نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام کی امامت صحیح نہ ثابت ہو؛ اس لیے کہ اہل سنت وجماعت کے نزدیک سواے انبیا علیہم السلام کے کوئی فرد معصوم نہیں ہے، پس خلفا وغیرہ بھی معصوم نہیں تھے، نہ ان کی امامت پر نص الٰہی تھی اور افضلیت میں بھی بحث کو بہت گنجائش ہے۔

مذہب شیعہ کے عجائب وغرائب

مسائل میں سے ایک مسئلہ یہ بھی ہے کہ امام کو (ڈر کے مارے) پوشیدہ اور مخفی رہنا چاہیے۔ اہل سنت وجماعت کے مذہب میں امام کا ظاہر ہونا شرط ہے اور یہی مذہب حق ہے۔ جس شخص کو ذرا بھی عقل ہے وہ شیعہ کے اس عجیب وغریب مسئلہ کو قبول کر ہی نہیں سکتا؛ کیونکہ یہ شرط عقل ونقل دونوں کے خلاف ہے۔

عقلاً اس وجہ سے کہ نصب امام سے غرض یہ ہے کہ وہ حدود قائم کرے، تعزیرات برپا کرے، وقت پڑے پر لشکر وغیرہ کی ترتیب دے، اسلام کی حمایت کرے، محافظت وانتظام کرے، اعلاے شعائر اسلام میں کوشش کرتا رہے، اوامر واحکام کو نافذ کرے، سیاست قائم کرے، گناہوں اور جرموں کی سزا دے اور اطرافِ ملک میں عمال وغیرہ کو

مقرر کرے۔ اور یہ امور و مہمات کبھی سر انجام نہیں ہو سکتے جب تک امام ظاہر نہ ہو۔ اس کو غلبہ حاصل نہ ہو، اشرار و مفسدین اس کے قہر سے خوف نہ کھاتے ہوں اور اس کا رعب و اقبال لوگوں کے دلوں میں جاگزیں نہ ہو۔

پس اگر یہ کچھ حاصل نہ ہو بلکہ سرے سے اِمام ظاہر ہی نہ ہو تو امام کو نصب کرنا اور نہ نصب کرنا دونوں برابر ہے اور عبث محض کام کرنا خانۂ خدائی میں محال ہے۔ پس امام میں ظاہر ہونے کی شرط عاقلوں کے نزدیک اتنی بدیہی اور ظاہر ہے کہ مجوسیانِ بے دین بھی اس کو جانتے تھے؛ لیکن نہیں جانتے تو حضراتِ شیعہ؛ کیوں کہ ان کی ۰۰۰۰ اور کمالِ تعصب اپنے انتہائی درجہ پر ہے۔ فردوسی طوسی نے شاہنامہ میں ان مجوس کا قول نقل کیا ہے ۔

نہ زیبد بہر پہلوے تاج و تخت   بیاید یکے شاہ فرخندہ بخت

کہ باشد بر او فرۂ ایزدی   نباید زگفتار او بخردی

نقلاً اس وجہ سے کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے :

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ آمَنُوا مِنكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُم فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِن قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِىْ ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُم مِّن بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْناً... (سورۂ نور:۲۴/۵۵)

تم میں سے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل کرتے ہیں ان سے خدا کا وعدہ ہے کہ (ایک نہ ایک دن) ان کو ملک کی خلافت ضرور عنایت کرے گا جیسے اُن لوگوں کو خلافت عنایت کی تھی جو ان سے پہلے گزرے ہیں۔ اور جس دین کو اس نے ان کے لیے پسند کیا ہے (یعنی اسلام) اس کو ان کے لیے جما کر رکھیں گے اور خوف (وخطر) جو ان کو (لاحق) ہے اس کے بعد (عنقریب ہی) ان کو (اس کے) بدلے میں امن دے گا۔

اس آیت قدسیہ سے تین باتیں بدیہی طور پر ثابت ہوتی ہیں۔

اوّل: یہ کہ قرآن کی آیتیں ہیں جو یقینی ہیں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں نازل ہوئی تھیں، اس میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اچھے عمل کرتے ہیں ہم ان کو ضرور ملک کی خلافت عنایت فرمائیں گے۔ پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بعد جو خلفاے کرام رضی اللہ عنہم تخت خلافت پر متمکن ہوئے ضرور ہے کہ وہی قرآن کی اس سچی پیشین گوئی کے مصداق ہوں؛ کیوں کہ آیت میں 'منکم' کا لفظ ہے یعنی تم میں سے جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے ہم ان کو خلافت دیں گے۔ پس مذکر حاضر کی ضمیر دلالت کرتی ہے اس اَمر پر کہ جن مومنین سے خطاب ہے انہیں کے بارے میں پیشین گوئی ہے؛ لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ خطاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ سے ہے۔ پس صحابہ میں سے جو لوگ خلیفہ ہوئے اور جنہوں نے اپنی شمع امامت سے ایوان جہان کو روشن کیا انہیں کے بارے میں یہ پیشین گوئی ثابت ہوئی اور وہ چھ صحابہ ہیں۔

خلیفہ اوّل: امیر المومنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفہ دوم: امیر المومنین سیدنا فاروق اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ

خلیفہ سوم: امیر المومنین سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ

خلیفہ چہارم: امیر المومنین سیدنا علی المرتضیٰ کرم اللہ وجہہ ورضی اللہ عنہ

خلیفہ پنجم: امیر المومنین جگر گوشۂ رسول فرزند بتول سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما

خلیفہ ششم: امیر المومنین حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

اہل سنت و جماعت کے یہ وہ اولوالعزم خلفاے کرام اور ائمہ عظام ہیں جن کی امامت پر نص قرآنی ہے، اور جن کی خلافت وفرماں برداری کے بارے میں خود اللہ تعالیٰ نے پیشین گوئی فرمادی۔

دوسرے: یہ کہ شیعہ کہتے ہیں: امام کو منصوص اور مبعوث من اللہ ہونا چاہیے۔ اگر یہ باطل مسلک تسلیم بھی کرلیا جائے تو خلفاے ستہ مذکورہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی امامت اور سنیوں کے مذہب کو کوئی مضرت نہیں پہنچتی؛ کیوں کہ اللہ نے خود صحابہ کی خلافت کی پیشین گوئی فرمائی ہے اور یہ پیشین گوئی ان کی امامت کی صحت پر نص قطعی ہے۔

تیسرے: یہ کہ جملۂ اسلام کو ہم ان کے لیے جما کر رکھیں گے، جس پر ہم نے ایک لکیر کھینچ دی ہے اس سے صاف طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کرام اِسلام پر مرتے دم تک جمے ہوئے تھے اور اِسلام کی جڑ ان کی وجہ سے مضبوط ہوئی۔

قال اللہ تعالیٰ :

اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّکَّنّٰھُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَھَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ . (سورۂ حج:۲۲/۴۱)

وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو زمین پر حکمران کر دیں تو وہ نماز بر پا کریں اور زکوٰۃ دیں اور بھلائی کا حکم کریں اور برائی سے منع کریں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خلافت و اِمامت سے غرض یہ ہے کہ اسلام کو قوت ہو، اہل اسلام امن سے رہیں، دنیا میں خیر و صلاح پھیلے، نماز جمعہ و عیدین قائم کی جائے، زکوۃ و صدقات وصول کیے جائیں اور اپنے مصرف میں خرچ ہوں۔

قال اللہ تعالیٰ :

اِبْعَثْ لَنَا مَلِکًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ . (سورۂ بقرہ:۲/۲۴۶)

یعنی ہمارے واسطے ایک بادشاہ مقرر کرو تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔

پس معلوم ہوا کہ نصب بادشاہ سے جہاد فی سبیل اللہ مقصود ہے۔

قال اللہ تعالیٰ :

وَجَعَلْنَا مِنْهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا لَمَّا صَبَرُوْا . (سورۂ سجدہ:۳۲/۲۴)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ لوگوں کو ہدایت کرنا، ان کی مخالفت کی مشقت گوارا کرنا اوراس پر صبر کرنا امامت کے لوازمات سے ہے۔

یہ قاعدہ عقلیہ ہے کہ جو چیز اپنے مقصود سے خالی ہو لغو ہے :

الشئ اذا خلا عن مقصوده لغی .

یہ بھی مانا ہوا کلیہ ہے :

الشیئ إذا ثبت ثبت بلوازمہٖ .

کوئی چیز ثابت ہوگی تو اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوگی۔

پس امام کا ظاہر ہونا مبرہن ہوگیا نہ یہ کہ گوشہ میں چھپا ہوا رہے؛ کیوں کہ امام کے متعلق جو امور ومہمات ہیں وہ ہو ہی نہیں سکتے جب تک وہ ظاہر نہ ہو جیسا کہ ہمارے ناظرین پر قرآن کی آیاتِ مذکورہ کے پڑھنے سے واضح ہو جائے گا۔اور عقلی دلائل سے بھی بخوبی روشن ہے۔

اگر امام غائب ہی کا ماننا ہے تو ہم کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مان لینا کافی ہے؛ کیوں کہ ہم حیات نبی کے قائل ہیں، اور تصرفات بعد الموت کو تسلیم کرتے ہیں، پھر جب امام غائب ہے تو اُمت کے واسطے اس کا غائب ہونا اور مرنا، رہنا اور نہ رہنا سب برابر ہے۔ایسے امام کا وجود اور عدم وجود دونوں مساوی ہے۔

سنیوں کو ایسے امام کی ضرورت نہیں ہے جو نظروں سے غائب ہو اور ڈر کے مارے چھپا رہے بلکہ ایسے امام کی ضرورت ہے جو بارِ امامت کو اپنے سر پر لے اور اسلام واہل اسلام کی حفاظت کرے، شریعت کے احکام اور اوامر ونواہی کو نافذ فرمائے۔

الحاصل یہ کل بارہ شرطیں ہیں کہ جس شخص میں یہ شروط جمع ہوں وہ خلافت وامامت کا مستحق ہے اور ایسا خلیفہ خلیفۂ راشد ہے۔ اور اگر ایسا شخص خلیفہ بنایا جائے جس میں یہ شرطیں مفقود ہوں تو خلیفہ کے بنانے والے اوراس کی خلافت قائم کرنے میں کوشش کرنے والے سب گنہگار رہوں گے؛ مگر ہاں! اگر ایسے مسلمان خلیفہ کا تسلط ہو جائے تو اس کے وہ تمام احکام جو خلافِ شرع نہیں ہیں نافذ ہوں گے تا کہ خوں ریزی نہ ہو۔

اِنعقادِ خلافت کے طریقے

پہلا طریقہ: یہ ہے کہ علما وقضاۃ، اُمراء اور سربرآوردہ اہل حل وعقد لوگ بیعت کریں جن کا اِجماع متعسر نہ ہو۔ ہاں! تمام اسلامی دنیا کے اہل حل وعقد کا جمع ہونا شرط نہیں ہے؛ کیوں کہ یہ صورت ناممکن اور دو ایک آدمی کی بیعت بھی مفید نہیں ہے۔

حضرت صدیق اکبر کی خلافت علی منہاج النبوۃ، اجماعی اور بطریق بیعت کے تھی۔

دوسرا طریقہ: اِستخلاف ہے یعنی خلیفہ عادل جس میں کل شروط امامت پائی جائیں کسی دوسرے جامع شروطِ خلافت کو اپنا جانشین کر جائے اور وصیت کر دے کہ فلاں شخص میرے بعد خلیفہ ہو پس حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقے پر تھی؛ کیوں کہ امام عادل صدیق اکبر نے آپ کو اپنے بعد امام منتخب فرما لیا تھا۔

تیسرا طریقہ: شوریٰ ہے اور وہ یہ ہے کہ خلیفہ عادل چند قابل خلافت لوگوں کو متعین کر جائے کہ میرے بعد ان لوگوں میں سے امت جس کو پسند کرے اپنا امام بنالے۔ پس خلیفہ کے اِنتقال کے بعد مجلس شوریٰ مرتب ہو اور انہیں متعین نفوس میں سے ایک کو مسند خلافت پر پسند کر کے بٹھلا دیا جائے۔ حضرت عثمان ذو النورین رضی اللہ عنہ کی خلافت اسی طریقہ پر تھی۔

چوتھا طریقہ: استیلا ہے یعنی جس کی لاٹھی اس کی بھینس۔ اور وہ یہ کہ خلیفہ عادل کے

مرنے کے بعد ایک شخص امامت کا دعویٰ کر بیٹھے بغیر بیعت عامہ اور بلا استخلاف خواہ بزور قہر یا تالیف قلوب کر کے اپنے گرد عوام الناس کو جمع کر کے خلیفہ بن جائے۔

ملک والوں پر ایسے خلیفہ کی فرماں برداری لازم ہوگی جہاں تک شرعیات کی مخالفت نہ ہو۔ پھر اس کی بھی دو قسم ہے: اگر یہ خلیفۂ مستولی جامع شروطِ خلافت ہے اور ممنوعات شرعیہ کا مرتکب نہیں ہوتا تو اس کی خلافت جائز ہے مثلاً حضرت امیر معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی خلافت، حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کی وفات اور امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت، مصالحت کے بعد اسی طریقہ پر تھی۔

دوسری قسم یہ ہے کہ خلیفہ مستولی میں امامت کی شروط نہ ہوں، گناہوں کا مرتکب ہو اور خوں ریزی پر کمر بستہ رہے، یہ جائز نہیں ہے؛ لیکن ملک والوں کے لیے اس کے احکام کا ماننا جہاں تک موافق شرع ہو واجب ہے۔ اس پر کوئی خروج کرے تو اس باغی کا قتل لازم ہے۔ ایسے خلیفہ کا قائم رہنا ضرورت سے ہے؛ اس لیے کہ اس کے معزول کرنے میں ہزاروں نفوس کا ضائع ہونا اور ملک کا تہ و بالا ہونا متیقّن ہے۔ پھر یہ بھی نہیں معلوم کہ اتنی خوں ریزی کے بعد اور سارے ملک کے تہ و بالا ہو جانے پر بھی ملک اور ملک والوں کو بہبودی نصیب ہوگی یا نہیں۔

ممکن ہے کہ اس خلیفہ کے بعد اور بھی بدتر حالت ہو جائے۔ پس موہوم مصلحت کی بنا پر ایسے فنون کا برپا کرنا جس کی قباحتیں یقینی ہیں ہرگز شرعاً درست نہیں ہے اور نہ عقل سلیم کے نزدیک قرین مصلحت ہے۔ خلیفۂ عبدالملک بن مروان کفر اللہ عن سیآتہ کی خلافت اسی رنگ کی تھی۔

چوتھا باب

اہل بیت کے معنی سکنائے خانہ کے ہیں۔ یہ لفظ'اہل' اور'بیت' دولفظوں سے مرکب ہے۔اہل کے معنی کسان وکسان سرائے کے ہیں جیسا کہ صراح وغیرہ میں لکھا ہے کسان کا ترجمہ اُردو میں'لوگ' ہے اور بیت کے معنی گھر، پس اہل بیت کے معنی ہوئے گھر والے۔ اصلاح کے اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اہل بیت کے معنی خاندان کے ہیں۔ اور اڈیٹر صاحب نے (یہ معنی) اس لیے تراشے ہیں تا کہ اَزواج مطہرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے خارج فرمادیں جو اَن ہونی بات ہے اور لغت کی بیجا مخالفت ہے۔

ہر زبان کا لفظ اسی معنی ومفہوم پر محمول کیا جائے گا جس معنی پر اہل زبان اور لغت والے بولتے ہیں۔ مرادی یا قیاسی یا تاویلی معنی اس وقت لیے جائیں گے جب کہ اس لفظ کا اپنے اصلی معنی پر بولا جانا صحیح (نہ) ہو جیسا کہ قرآن میں لفظ اِستواء ہے۔

ہاں شاید مذہب شیعہ میں کوئی نئی عجیب وغریب لغت ہو جو خاص ان کے ائمہ اثنا عشر کی تالیف ہو اور اس میں اہل بیت کے معنی خاندان کے لکھے ہوں تو مضائقہ نہیں؛ مگر لغت والے تو بالاجماع لکھتے ہیں کہ کسی شخص کے اہل بیت اس کی بی بی اور لڑکے ہیں۔ اور درحقیقت ہے بھی یہی ٹھیک، جو کل دنیا کی مانی ہوئی بات ہے۔

چنانچہ ہندستان میں بھی'گھر کے لوگ' سے بی بی ہی مراد ہوتی ہے اور فارسی واُردو میں اہل وعیال کا لفظ فقط بی بی لڑکوں پر بولا جاتا ہے۔ تفسیر معالم التنزیل، تفسیر کبیر اور قاموس لغت میں یہ لکھا ہے کہ رسواللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت آپ کی بی بیاں اور بیٹیاں ہیں اور حضرت علی ان اہل بیت میں داخل ہیں۔

لیکن میں کہتا ہوں کہ حضرت علی اہل بیت نبی میں کیوں داخل کیے جاتے ہیں۔اگر یہ خصوصیت داماد ہونے کے سبب سے ہے تو علی کی خصوصیت کیا ہے؟ حضرت عثمان بھی اہل بیت میں شامل ہوں گے بلکہ عثمان کا شمول بدرجۂ اولیٰ ہوگا؛ کیوں کہ علی مرتضیٰ کو ایک بیٹی اور عثمان غنی کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دو بیٹیاں بیاہی تھیں جس وجہ سے آپ کا لقب ذو النورین مشہور ہوا۔اور اگر حضرت علی چچا زاد بھائی ہونے کی جہت سے اہل بیت نبی میں شمار کیے جاتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور بہت سے اَبنائے عم تھے وہ کیوں خارج کیے گئے؟۔دوسرے یہ کہ چچا زاد بھائی اہل بیت میں ہے تو چچا بطریق اولیٰ اہل بیت میں داخل ہوگا۔

غرض ان دونوں وجہوں میں سے کوئی وجہ معقول نہیں ہے۔البتہ ان روایات سے یہ امر قطعی طور پر ثابت ہوگیا کہ بی بی اور بیٹیاں ضرور اہل بیت رسول ہیں۔

اگر داماد داماد ہونے کی حیثیت سے داخل اہل بیت ہو تو داماد سے زیادہ بَہو اہل بیت میں شامل ہونے کی حقدار ہے جیسا کہ ہندستان کا عمل درآمد بھی بتلا رہا ہے۔

ہندستان کے مسلمانوں کی معاشرت میں تو داماد اہل بیت میں شمار ہی نہیں کیا جاتا اور بہو خاص گھر والوں میں آکر گھر والی ہوجاتی ہے۔سبب اس کا یہ ہے کہ داماد اپنی بیوی کو لے کر دوسرے گھر میں آباد ہوتا ہے اور اس کی معاشرت بالکل الگ ہوجاتی ہے بخلاف اس کے بہو کہ وہ اپنے گھر کو آکر آباد کرتی ہے۔

معہٰذا اگر اہل بیت کے معنی خاندان ہی کے لیں جیسا کہ اصلاح کے اڈیٹر صاحب کا زعم ناحق ہے تو بھی بی بی اپنے اہل بیت سے باہر نہیں ہوسکتی؛ کیوں کہ شادی سے پہلے گو وہ غیر رہی ہو؛ مگر نکاح بعد اس کا شمار اپنے خاندان میں ہوتا ہے اور ہونا چاہیے۔

حضرات شیعہ شاید اپنی بی بیوں کو گھر سے باہر کرنا پسند کریں تو کریں؛ مگر اہل سنت وجماعت تو اس رسم جاہلیت کو ہرگز گوارا نہ کریں گے!۔

حضرات شیعہ جو ازواجِ مطہرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت سے خارج کرتے ہیں وہ سخت غلطی میں گرفتار ہیں؛ کیوں کہ بی بیاں اہل بیت ہیں جیسا کہ فن لغت میں منصوص ہے، پس وہ اہل بیت سے کیونکر خارج ہوسکتی ہیں درانحالیکہ قرآن مجید ان کے اس عقیدہ کو صاف طور پر جھٹلا رہا ہے چنانچہ کتاب اللہ سے ہم دو بین اور بدیہی ثبوت پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل

سورۂ ہود میں ہے :

قَالُواْ لاَ تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلَى قَوْمِ لُوطٍ ، وَامْرَأَتُهُ قَآئِمَةٌ فَضَحِكَتْ فَبَشَّرْنَاهَا بِإِسْحَقَ وَمِن وَرَاء إِسْحَقَ يَعْقُوبَ ، قَالَتْ يَاوَيْلَتَى أَأَلِدُ وَأَنَاْ عَجُوزٌ وَهَذَا بَعْلِي شَيْخاً إِنَّ هَذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ، قَالُواْ أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّهِ رَحْمَتُ اللّهِ وَبَرَكَاتُهُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْبَيْتِ إِنَّهُ حَمِيدٌ مَّجِيدٌ . (سورۂ ہود:۱۱/۷۰تا۷۳)

فرشتے ابراہیم سے بولے: آپ خوف نہ کیجیے ہم تو قوم لوط کی طرف بھیجے گئے ہیں اور (اس گفتگو کے وقت) ابراہیم کی بی بی (سارہ) کھڑی ہوئی تھیں وہ ہنس دیں تو ہم نے ان کو (فرشتوں کے ذریعے سے) اسحاق اور اسحاق کے بعد یعقوب (پوتے) کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی۔ وہ کہنے لگیں: ہاے میری کم بختی کیا میرے اولاد ہوگی اور میں تو بڑھیا ہوں۔ اور یہ جو میرے شوہر ہیں یہ بھی بوڑھے ہیں۔ بے شک یہ عجیب بات ہے۔ فرشتے بولے: کیا تم کو خدا کی قدرت سے عجب معلوم ہوتا ہے۔ اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت اور اس کی برکتیں نازل ہوں، بیشک خدا سزاوارِ حمد بڑا ہے۔

فائدہ جب فرشتوں نے حضرت ابراہیم کی بی بی سارہ رحمہا اللہ کو بیٹا اور پوتا پیدا ہونے کی خوشخبری دی تو وہ حیرت میں آکر بولیں کہ کیا مجھ بڑھیا کے اولاد ہوگی؛ کیوں کہ میں اور میرے شوہر دونوں بہت بوڑھے ہیں۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت اور برکت ہو، کیا تم کو خدا کی قدرت سے یہ عجیب معلوم ہوتا ہے؟

اس آیت سے بصراحت معلوم ہوگیا کہ بی بی اہل بیت میں داخل ہے؛ کیوں کہ حضرت سارہ کو ملائکہ علیہم السلام نے ابراہیم علیہ السلام کی اہل بیت میں شمار کیا اور آپ کو اہل بیت ہی کے لفظ سے مخاطب بھی کیا۔

اگر اس پر بھی شیعہ ہٹ دھرمی کر کے فرمائیں کہ حضرت سارہ کو ملائکہ نے اہل بیت نہیں فرمایا تو اس سے بڑھ کر جہل نہیں ہوسکتا۔ اس لیے کہ حضرت سارہ ہی کو بیٹا پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی۔ انہیں کو اپنی اولاد پیدا ہونے پر تعجب ہوا اور انہیں کو ملائکہ نے جواب دیا کہ کیا تم کو خدا کی قدرت پر تعجب ہوتا ہے۔ اے اہل بیت نبی! تم پر خدا کی رحمت و برکات نازل ہوں۔ اس آیت میں تین ہی ذات کا ذکر کیا گیا ہے۔ حضرت ابراہیم، سارہ اور ملائکہ، پس اہل بیت کا اِطلاق انھیں تینوں میں سے کسی پر ہوگا۔

اب واضح ہو کہ ملائکہ علیہم السلام تو اہل بیت نبی ہو نہیں سکتے درانحالیکہ وہی خطاب کرنے والے اور جواب دینے والے ہیں۔ اور حضرت ابراہیم پر بھی اہل بیت نبی کا اِطلاق نہیں ہوسکتا؛ کیوں کہ وہ آپ اپنے اہل بیت کیونکر ہوں گے!۔

لامحالا یہی کہنا پڑے گا کہ اہل بیت نبی کا اِطلاق ابرہیم علیہ السلام کی بی بی حضرت سارہ پر ہوا؛ کیوں کہ آیت میں اور کسی چوتھے نفس کا ذکر ہی نہیں ہوا ہے، پس ثابت ہوا کہ اپنی بی بی اپنے اہل بیت میں یقینی ہے۔ اور اسی لیے اہل سنت و جماعت کا مذہب حق ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اہل بیت آپ کی بی بیاں اور بیٹیاں ہیں۔

باقی رہا یہ اَمر کہ مخاطب تو حضرت سارہ ہیں پھر ضمیر جمع مذکر حاضر کی کس واسطے لائی

گئی تو اس کا جواب ہم دوسری آیت میں دیں گے۔ ناظرین اس مقام کو اپنے ذہن میں محفوظ رکھیں۔

چمگادڑ کو سنتے تھے کہ اسے دن کے وقت نظر نہیں آتا؛ مگر وہ حضرات جو ازواجِ مطہرات کے اہل بیت نبی ہونے سے منکر ہیں، کچھ عجب طرح کے اندھے ہیں کہ باوجود دعویٰ اسلام کے آج تک انہیں یہ آیت نظر نہیں آئی، حالانکہ یہ آیت بالیقین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

ہزاروں، لاکھوں، کروڑوں مسلمانوں اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اس کے حق ہونے پر ایمان لائے۔ تیرہ سو برس سے قرآن مجید کے صفحات پر موجود ہے اور دنیا بھر کے مسلمان اس کی تلاوت کرتے ہیں؛ مگر ان حضرات کو نہ معلوم ہوا کہ ازواجِ مطہرات بھی اہل بیت نبی میں شامل ہیں؛ لیکن واقعی بات تو یہ ہے کہ یہ نام کے مسلمان قرآن مجید کو جو بین الدفتین ہمارے سامنے ہے اور کل اسلامی دنیا کی ہدایت کر رہا ہے، وہ کتاب اللہ سمجھتے ہی نہیں۔ پس اس کا پڑھنا پڑھانا بھی عبث ٹھہرا۔ اور یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں میں آج تک کوئی **حافظ قرآن** نہیں ہوا؛ کیوں کہ بفرضِ محال اگر یاد بھی کرلیں تو یاد رہنے کا کوئی ذریعہ نہیں؛ اس لیے کہ تراویح تو ان کے مذہب میں ہے نہیں، جس کے لیے حافظ کی ضرورت پڑے۔

ہر چند یہ حضرات اور ان کے وکیل صاحب اڈیٹر اصلاح اپنوں میں حافظ قرآن ہونے کی بہت سی تقیہ نما شہادتیں پیش کرتے ہیں؛ مگر یہ کچھ نئی بات نہیں ہے۔ سنیوں اور شیعوں میں اس بارے میں ہزاروں مباحثے ہوئے، ہزاروں مجلسیں ہوئیں؛ لیکن مجلس میں علی رؤس الاشہاد شیعہ حافظ صاحب تشریف لائے اور ساری قلعی کھل گئی اور حضرات کو سوائے ندامت کے کچھ نہ حاصل ہوا!۔

الحاصل حضرات مخاطبین کو آیت قرآنی کا نظر نہ آنا کوئی اچنبھے کی بات نہیں ہے: **لَهُمْ**

قُلُوْبٌ لَّایَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْیُنٌ لَّایُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّایَسْمَعُوْنَ بِهَا ...فَإِنَّهَا لاَ تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِیْ فِیْ الصُّدُوْرِ ۔ (سورۃ اعراف: ۱۷۹/۷......سورۃ حج:۴۶/۲۲)

اور ان حضرات کو قرآن مجید اسی لیے یاد نہیں ہوسکتا کہ وہ اس کو اللہ کا کلام ہی نہیں سمجھتے۔ بہرحال! اس آیت سے بخوبی ثابت ہوگیا کہ ازواجِ مطہرات علیٰ نبینا وعلیہنّ السلامُ اہل بیت نبی ہیں۔وَهٰذَا ذِكْرٌ مُّبَارَكٌ اَنْزَلْنَاهُ اَ فَاَنْتُمْ لَهُ مُنْكِرُوْنَ ! ۔

دوسری آیت

سورۃ الاحزاب میں خاص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات کی شان میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

یٰاَیُّهَا النَّبِیُّ قُل لِّأَزْوَاجِکَ إِن کُنتُنَّ تُرِدْنَ الْحَیَاةَ الدُّنْیَا وَزِیْنَتَهَا فَتَعَالَیْنَ أُمَتِّعْکُنَّ وَأُسَرِّحْکُنَّ سَرَاحاً جَمِیْلاً ، وَإِن کُنتُنَّ تُرِدْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ وَالدَّارَ الْآخِرَةَ فَإِنَّ اللّٰهَ أَعَدَّ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنکُنَّ أَجْراً عَظِیْماً ، یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ مَن یَأْتِ مِنکُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبَیِّنَةٍ یُضَاعَفْ لَهَا الْعَذَابُ ضِعْفَیْنِ وَکَانَ ذٰلِکَ عَلَى اللّٰهِ یَسِیْراً ، وَمَن یَقْنُتْ مِنکُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحاً نُّؤْتِهَا أَجْرَهَا مَرَّتَیْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقاً کَرِیْماً ، یٰنِسَآءَ النَّبِیِّ لَسْتُنَّ کَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَآءِ إِنِ اتَّقَیْتُنَّ فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ فَیَطْمَعَ الَّذِیْ فِیْ قَلْبِهِ مَرَضٌ وَقُلْنَ قَوْلاً مَّعْرُوفاً ، وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی وَأَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَآتِیْنَ الزَّکٰوةَ وَأَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ إِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنکُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْراً ۔ (سورۃ احزاب:۳۳/۲۸/۳۳)

اے پیغمبر! اپنی بی بیوں سے کہہ دو کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کے ساز و سامان کی طلبگار ہو تو آؤ میں تمہیں دے دلا کر خوش اُسلوبی سے رخصت کر دوں (۲) اور اگر تم خدا اور اس کے رسول اور عاقبت کے گھر کی خواہاں ہو تو تم میں سے جو نیکوکار ہیں ان کے لیے خدا نے بڑے اَجر تیار کر رکھے ہیں (۳) اے پیغمبر کی بی بیو! تم میں سے جو کوئی کسی کھلی ہوئی ناشائستہ حرکت کی مرتکب ہوگی اس کو دوسری سزا دی جائے گی اور اللہ کے نزدیک یہ سہل بات ہے (۴) اور جو تم میں سے اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری اور نیک عمل کرے گی اور ہم نے اس کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے (۵) اے پیغمبر کی بی بیو! تم کچھ عام عورتوں کی طرح تو ہو نہیں (پس) اگر تم کو پرہیزگاری منظور ہے تو دبی زبان سے بات نہ کیا کرو (کہ ایسا کرو گی) تو جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تم سے توقع پیدا کرلے گا اور بات کرو (تو بے لاگ لپیٹ) جیسا کہ پاک صاف لوگوں کا دستور ہے (۶) اور اپنے گھروں میں عزت سے بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔ اے اہل بیت (پیغمبر کے گھر والو!) خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے (ہر طرح کی) گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے (۷) اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

فائدہ: ان آیتوں میں چند اُمور گوشِ دل سے سننے کے قابل ہیں۔ ناظرین خوب غور فرمائیں۔

اَمرِ اوّل: آیت نمبر ۱، ۲ میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول برحق سے فرماتا ہے کہ اگر تمہاری بی بیاں دنیا اور دنیاوی زینت چاہتی ہوں تو ان کو دے دلا کر رخصت کرو اور اگر اللہ اور اس کے رسول اور عاقبت کی خواہاں ہوں تو ہم نے ان کے لیے بڑے اَجر تیار کر رکھے ہیں فقط

لیکن شیعہ وسنی دونوں فریق کی معتبر کتابوں اور اَحادیث صحیحہ سے بخوبی ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بی بی کو طلاق دیا، نہ کچھ دے دلا کر رخصت کیا۔ پس ثابت ہوا کہ آپ کی اَزواجِ مطہرات نہ دنیا چاہتی تھیں نہ ان کے دلوں میں دنیا کی زینت کی کچھ ہوس تھی؛ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے مفارقت کر کے دے دلا کر رخصت فرما دیتے۔ اور ایسا نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ آپ یعنی اَزواجِ مطہرات خدا و رسول کی طلبگار تھیں اور حسن آخرت کی متمنی تھیں، پس ایسے نفوس کو جن کے لیے اللہ نے بڑے اَجر تیار کر رکھے ہوں اور جن کے بارے میں قرآن اچھے ہونے کی خبر دیتا ہے برا بھلا کہنا اور حرمِ رسول کا ذرا پاس ولحاظ نہ کرنا بلکہ فرمان الٰہی کی تکذیب کرنا صریحی عدمِ ایمان کی دلیل ہے۔

اَمر دوم: آیت نمبر ۳، ۴ میں اللہ تعالیٰ خود ازواجِ مطہرات سے خطاب کر کے کہتا ہے کہ اگر تم کوئی ناشائستہ حرکت کرو گی تو تم کو دہری سزا دی جائے گی اور جو نیک عمل کرو گی تو اس کا دہرا اَجر دیا جائے گا فقط۔ یہ آیتیں ازواج مطہرات کے مقربِ بارگاہِ الٰہی ہونے پر دلالت کرتی ہیں۔ نیز یہ کہ وہ اپنے زمانہ کی کل عورتوں سے بہتر تھیں۔

یہ ان کے مقرب اور افضل النسوا ان ہی ہونے کے سبب سے ہے کہ وہ کوئی خطا کریں تو دہرا عذاب پائیں اور ثواب کا کام کریں تو دہرا اَجر پائیں؛ اس لیے کہ جو جتنا قریب وعزیز ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کی برائی بھلائی پر نظر بھی پڑتی ہے۔

پھر یہ خوشخبری بھی ان کو سنا دی گئی کہ ہم نے تمہارے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے؛ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ جانتا تھا کہ اب وہ اس کے اور اس کے رسول کی فرمانبرداری سے اِعراض نہیں کریں گی اور ان سے کوئی کھلی ناشائستہ حرکت سرزد نہیں ہو گی۔ پھر اس خوشخبری کو ماضی کے صیغہ میں بیان کیا 'وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا' یعنی ہم نے ان کے لیے عزت کی روزی تیار کر رکھی ہے۔ پس معلوم ہوا کہ علم الٰہی میں وہ جنتی ہو چکی تھیں اور ہم کو اس

میں شبہہ نہیں۔

اَمر سوم: آیت نمبر ۵ میں اللہ تعالیٰ پھر ان کو مخاطب کر کے فرماتا ہے کہ اے ازواج پیغمبر! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو تو تم کو چاہیے کہ لوگوں سے بے لاگ لپیٹ باتیں کیا کرو جیسا کہ پاک صاف لوگوں کا دستور ہے اور یہ ان کو تعلیم دی گئی ہے۔

اَمر چہارم: آیت نمبر ۶ میں ازواج مطہرات کو اللہ تعالیٰ یہ تعلیم دیتا ہے کہ اپنے گھروں میں عزت سے رہو، اور ایامِ جاہلیت کا سا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو، اور نماز پڑھو، اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو؛ کیوں کہ اے اہل بیت! اللہ کو تو یہ منظور ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے۔ اور آیت نمبر ۷ میں یہ سکھلاتا ہے کہ تمہارے گھروں میں جو اللہ تعالیٰ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

آیت نمبر ۶ میں اس بات کا ثبوت ہے کہ ازواج مطہرات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اہل بیت ہیں؛ کیوں کہ ان تمام آیات میں انہیں سے خطاب ہے اور انہیں کو اہل بیت کہا گیا ہے۔

اب یہاں شیعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر ایک بدنما طعن کرتے ہیں، اس لیے ضروری ہے کہ پہلے ہم اس طعن کا جواب دے لیں، تب ان کی ان دلیلوں کو ملیا میٹ کریں جو اس آیت میں اہل بیت سے ازواج مطہرات کے مراد ہونے پر پیش کرتے ہیں۔

طعن: کہتے ہیں کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے تو ازواجِ پیغمبر کو حکم دیا کہ اپنے گھروں میں جمی بیٹھی رہو اور ایامِ جاہلیت کا سا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو، اور عائشہ صدیقہ باوجود اس فرمانِ الٰہی کے مدینہ سے نکل کر مکہ معظّمہ اور مکہ معظّمہ سے بصرہ تک گئیں، نہ انہوں نے خدا کے فرمان کا پاس کیا، نہ ناموسِ رسول کی محافظت کی اور ایسے لشکر کے ساتھ خروج کیا جس میں اٹھارہ ہزار سے زیادہ اَوباش واَرذال تھے۔

الجواب: اس طعن کے چند جواب ہیں :

اوّل: قرآن کے الفاظ یہ ہیں: وَقَرْنَ فِیْ بُیُوتِکُنَّ وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِیَّةِ الْأُوْلٰی اور اس میں فقط قَرْنَ ایک لفظ ہے جس پر شیعوں کے طعن کا دارومدار ہے۔ پس واضح ہو کہ باتفاقِ مفسرین اور باجماع علماے صرف قرن صیغہ جمع مؤنث حاضر ہے۔ اس کا مادہ وقار اور قرار دونوں ہوسکتا ہے۔

چنانچہ مفسرین کے دو گروہ ہیں: ایک گروہ تو کہتا ہے کہ یہاں قرن وقار سے ہے اور معنی یہ ہیں کہ اے ازواج نبی! تم اپنے گھروں میں عزت کے ساتھ رہو اور ایام جاہلیت کا سا بناؤ سنگار نہ دکھاتی پھرو۔

اس معنی کے تسلیم کرنے میں جو قرین قیاس ہے اور جس کے تسلیم نہ کرنے کے لیے کوئی دلیل و مانع بھی نہیں ہے شیعوں کا سارا طعن رفو چکر ہو جاتا ہے؛ کیوں کہ ظاہر ہے کہ جناب صدیقہ مدینہ سے بصرہ تک کچھ (معاذ اللہ) اپنا بناؤ سنگار دکھانے نہیں گئی تھیں بلکہ اس لیے کہ خلیفہ مظلوم برحق عثمان ذوالنورین کے قتل کا بدلا لیا جائے۔

مفسرین کا دوسرا گروہ کہتا ہے کہ نہیں! اس مقام پر قرن کا مادہ قرار ہے، اگرچہ وقار سے ہونے کا بھی احتمال ہوسکتا ہے۔ پس اگر ہم یہ مسلک بھی تسلیم کرلیں تو بھی شیعوں کا طعن روبراہ نہیں ہوتا، نہ ہوا، نہ ہوگا اس لیے کہ :

دوم: گھروں میں قرار پکڑنے سے یہ مراد تو ہو نہیں سکتا کہ مطلق گھر سے باہر نہ نکلیں اور کسی حال میں مکان سے باہر قدم نہ رکھیں؛ کیوں کہ اگر ایسا ہوتا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس آیت کے نزول بعد خود اپنی بی بیوں کو حج وعمرہ کے واسطے نہ نکلنے دیتے۔ لڑائیوں میں اپنے ساتھ نہ لے جاتے، والدین کی ملاقات اور مریضوں کی عیادت نہ کرنے دیتے، عزیز واَقارب کے گھر تعزیت میں جانے کی اجازت نہ دیتے؛ حالانکہ یہ قطعاً باطل ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اس حکم سے مراد پردہ اور حجاب ہے؛ تاکہ ایامِ جاہلیت کی عورتوں کی طرح

کوچہ و بازار میں ہرزہ گردی نہ کریں، اور ظاہر ہے کہ سفر کرنا پردہ کے منافی نہیں ہے۔

ہر زمانے کی پردہ نشیں سے پردہ نشیں عورتیں (مثل خواتین و بیگمات شاہی کے) بھی سفر کرتی ہیں اور ان پر بے پردگی کا اِطلاق نہیں ہوتا۔

ہر سفر جو دینی و دنیاوی مصلحت پر مبنی ہو وہ جہاد اور حج وہ عمرہ پر قیاس کیا جائے گا۔ اس میں شک نہیں کہ جناب عائشہ صدیقہ کا یہ سفر اسی مصلحت سے تھا؛ تاکہ مسلمانوں میں سورش نہ ہو اور خلیفہ عادل جو ظلم سے شہید کیا گیا اور جس کے قاتل حضرت علی مرتضیٰ کی پناہ میں تھے اس کا قصاص لیا جائے۔ پس یہ سفر بھی حج و عمرہ کے حکم میں ہو گیا۔

یہ جو شیعہ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ کو قصاصِ عثمان لینے کا کیا حق تھا؛ کیوں کہ نہ وہ امام وقت تھیں، نہ کوئی مقتول کی عزیز و قریب تھیں، پھر ان کو خلیفۂ وقت سے بغاوت اور امام پر خروج کرنا کیا لائق تھا؟۔ یہ بالکل مہمل اعتراض ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

النَّبِيُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِہِمۡ وَاَزۡوَاجُہٗۤ اُمَّہٰتُہُمۡ . (سورۂ احزاب:٦/٣٣)

پیغمبر مسلمانوں کی جانوں پر خود ان سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کی بی بیاں ان کی مائیں ہیں۔

پس اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو مسلمانوں کی ماں قرار دیا اور وہ اُم المومنین کہلائیں۔

پس حضرت عائشہ صدیقہ نے جو علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے قاتلانِ عثمان کو طلب کیا اور بدلا لینے کے لیے بصرہ تک تشریف لے گئیں تو کیا خلاف شرع کام کیا؛ کیوں کہ وہ مسلمانوں کی ماں تھیں، ان پر حق تھا کہ اپنی اولاد کے حق کی حفاظت کریں۔ انہوں نے جو کچھ کیا وہ

بجا کیا، اور ماں بننے کے اِقتضا سے کیا، گو وہ حضرت عثمان کو اچھا بھی نہ سمجھتی ہوں۔

یہ جو **حضرات شیعہ** طعن وطنز کرتے ہیں کہ عائشہ صدیقہ نے امام وقت سے بغاوت کی اوران پر خروج کیا جو ہر گز شرعاً درست نہیں تھا، کس قدر لچر اور بیہودہ اعتراض ہے۔

اوّل: تو حضرت علی کی خلافت اس وقت مسلم ہی نہیں ہوئی تھی اوران کے ہاتھ پر بیعت کرنے والے اکثر بلوائی اور مفسدین تھے جنہوں نے حضرت عثمان کو شہید کیا تھا۔

دوسرے: یہ کہ جس طرح شیعہ' حضرت عائشہ کو باغی قرار دیتے ہیں اسی طرح یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ حضرت علی نے اپنی ماں سے سرکشی اور بغاوت کی جوان کو کسی طرح زیبا نہ تھا۔ ہر گز نہیں چاہیے تھا کہ حرمِ رسول اور اپنی محترم ماں اُم المومنین عائشہ کے مقابل میں صف آرا ہو کر دادِ مردانگی دیتے !۔

مگر ہمارا تو یہ اِعتقاد ہے کہ نہ حضرت علی نے عائشہ سے بغاوت کی، نہ حضرت عائشہ نے علی پر خروج کیا بلکہ یہ خوں ریز لڑائی جو عائشہ اور علی کے درمیان واقع ہوئی، جس میں ہزاروں مسلمان ضائع ہوئے اور جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، صرف بلوائیانِ عثمان اور مفسدین کی وجہ سے واقع ہوئی؛ ورنہ اصل میں عثمان وعائشہ رضی اللہ عنہما دونوں بے قصور تھے۔ ہاں! حضرت عائشہ نے قاتلانِ عثمان کو ضرور حضرت علی سے طلب کیا اور یہ بے جا نہیں تھا۔

دوسرا جواب: شیعہ کی کتابوں میں یہ مشہور ومتواتر خبر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں جب اہل بیت کے حقوق غصب کر لیے گئے۔ تو حضرت علی نے فاطمہ زہرا کو سوار کرا کر مدینہ کے محلوں میں اور انصار وغیرہ کے گھر گھر پھرایا اور رات کو دربدر مدد مانگتے پھرے۔ اب غور کرنا چاہیے کہ بیٹی ننگ وناموس ہونے میں اگر بی بی سے زیادہ نہیں ہے تو کم بھی نہیں ہوگی، سو اس کا اپنے گھر سے نکل کر دوسروں کے گھروں اور در بدر پھرنا تو معیوب نہ ہو، اور عائشہ صدیقہ کا اپنے گھر سے نکل کر اپنے خیمہ وخرگاہ میں رہنا محل

طعن ہو۔

بہبیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا

اگر خلافت صدیق میں اہل بیت کا حق غصب بھی ہوا تو صرف دو ایک دیہہ اور چند درخت تھے جو کچھ ایسی مالیت بھی نہیں تھی؛ مگر خلیفہ برحق کے قتل کا مقدمہ اور اس کے متعلقات تو جاں گداز اور اُمت کے لیے ضرر رساں مہمات تھے؛ اس کے لیے ام المومنین کا باہر نکلنا کیونکر محل طعن ہوسکتا ہے!۔

تیسرا جواب: پھر جبکہ اللہ تعالیٰ نے خود ازواجِ مطہرات اور عام مسلمان عورتوں کو حکم دے دیا کہ پردے کا لحاظ رکھ کر پردہ پوشی کے ساتھ باہر نکلیں تو اُم المومنین کے نکلنے پر اِعتراض اور طعن کرنا محض ژاژ خائی (لاف زنی وبیہودہ گوئی) ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:

يٰاَيُّهَا النَّبِىُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ وَبَنَاتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ. (سورۂ احزاب:۵۹/۳۳)

یعنی اے پیغمبر اپنی بی بیوں اور اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دو کہ اپنے اوپر اپنی گھٹاٹوپ چادریں اوڑھ لیں، یہ نزدیک ہے کہ وہ پہچان لی جائیں، پھر نہ ستائی جائیں۔

صحیح حدیث میں وارد ہے کہ اس آیت کے نزول بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ 'تم کو حاجت پڑے پر باہر نکلنے کی اجازت ہے'۔

البتہ عورت کو سفر کرنے کے لیے اس کے ایک محرم کا ساتھ ہونا ضروری ہے؛ اسی لیے حضرت عائشہ کے ساتھ آپ کے بھانجے عبداللہ بن زبیر تھے۔ طلحہ بن عبیداللہ آپ کے بہنوئی بھی ہمراہ رکاب تھے............۔

آیت مذکورہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ قول: وَلَا تَبَرَّجْنَ تَبَرُّجَ الْجَاهِلِيَّةِ الْأُولَىٰ (ایام جاہلیت کا سا بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو) صریح اس امر پر دلالت ہے کہ ازواج مطہرات کو مطلق باہر نکلنے سے ممانعت نہیں ہے بلکہ بے پردہ نکلنے سے اور زینت اور رنگین لباس کے اظہار سے منع کیا گیا ہے جو ایام جاہلیت کی رسم تھی۔

شیعی علما فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات اہل بیت نبی میں نہیں ہیں اور نہ اس آیت میں اہل بیت سے ازواج مطہرات مراد ہیں؛ چنانچہ شیعوں کے وکیل مضل اڈیٹر صاحب اصلاح نمبر ۸، جلد ۸، میں ازواج مطہرات کے اس آیت میں شامل نہ ہونے پر پانچ دلیلیں جو أوهن من بيت العنكبوت ہ (مکڑی کے جالے سے بھی کمزور) ہیں پیش کرتے ہیں۔

پہلی دلیل: خدا نے خلاف سیاق آیت یہاں ضمائر تذکیر کو کیوں صرف کیا؟۔

الجواب: آیت مذکورہ میں اہل بیت سے اَزواجِ مطہرات کو مراد نہ لینا کمال درجہ کی سفاہت اور انتہا درجے کی جہالت ہے۔ اوّلاً اس وجہ سے کہ شروع سے آخر تک اَزواج مطہرات ہی کا ذکر اور انہیں سے خطاب ہے، پھر انہیں کو اہل بیت سے خارج کرنا کس قدر دور از قیاس بات ہے۔

دوسرے: یہ کہ اوّل و آخر میں ازواج مطہرات کو مراد لینا اور بیچ کا ایک جملہ جو ان کے حسب حال بھی ہو اُڑا دینا بلاغت قرآنی پر دھبہ لگانا ہے۔ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ خدا ازواج مطہرات کا ذکر کرتے کرتے بلا سبب درمیان میں ایک غیر کو کود الایا، اور پھر ازواج مطہرات کو تعلیم و خطاب کرنے لگا، ایسی رکاکت تو عامی سے عامی شخص کے کلام میں بھی روا نہیں ہے۔

تیسرے: ان آیات قدسیہ میں سر سے تا پا ازواج مطہرات ہی کا ذکر ہے اور کسی دوسرے کا ذکر مذکور نہیں ہے، پس دوسرے کا بے شان و گمان مراد ہونا کس دلیل سے ہے؛ حالانکہ سورۂ ہود میں آیت سے ثابت ہو چکا ہے کہ ازواجِ پیغمبر اصلی اہل بیت ہیں۔

حدیثیں جو پیش کی جاتی ہیں تو اوّلا تو ان حدیثوں سے مطلب بر آری نہیں ہوتی۔اور مؤید دعویٰ ہوں بھی تو ہمارے نزدیک قرآن کا ہر ہر لفظ متواتر ہے؛ اس لیے حدیث کو قرآن کا ضمیمہ بنانا نری بے عقلی ہے؛ کیوں کہ قرآن کے آگے حدیث کوئی متواتر نہیں ہے۔

چوتھے: اب ناظرین ذرا پوری آیت کا ترجمہ ملاحظہ فرما کر انصاف کریں کہ ازواج مطہرات کے سوا کون دوسرا اہل بیت مراد ہو سکتا ہے!۔

اور اے پیغمبر کی بی بیو اپنے گھروں میں عزت کے ساتھ بیٹھی رہو اور اگلے زمانۂ جاہلیت کے سے بناؤ سنگار دکھاتی نہ پھرو اور نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو، اللہ اور اس کے رسول کی فرماں برداری کرو۔اے اہل بیت! خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا پاک صاف بنانے کا حق ہے اور تمہارے گھروں میں جو خدا کی آیتیں اور دانائی کی باتیں پڑھ پڑھ کر سنائی جاتی ہیں ان کو یاد رکھو۔

ف ازواجِ مطہرات کو گھروں میں عزت سے بیٹھے کی ہدایت کرنا، ایام جاہلیت کا سا بناؤ سنگار دکھانے کی ممانعت کرنا، نماز پڑھنے، زکات دینے اور اللہ و رسول کے اطاعت کرنے کا حکم کرنا اور پھر ان کو پاک کرنے کا وعدہ دینا کس قدر مناسب حال ہے؛ لیکن ہٹ دھرم شیعہ کہتے ہیں کہ نہیں! سب آیتیں تو ازواجِ نبی کے حق میں ہیں اور وہ ایک ٹکڑا جس میں اہل بیت کا لفظ واقع ہے ان کی شان میں نہیں ہے بلکہ اس سے حضرت علی، امام حسن، امام حسین اور فاطمہ زہرا مراد ہیں۔

تو میں عرض کرتا ہوں کہ اے حضرت اڈیٹر صاحب! ان حضرات کو تو آپ معصوم فرماتے ہیں یعنی وہ لوگ ہر صغیرہ اور کبیرہ گناہوں سے محفوظ تھے، پھر اللہ تعالیٰ ان کی کس پلیدی اور کیسی نجاست کو دور کرے گا؛ کیوں کہ پاک صاف تو وہ بنایا جائے گا اور پلیدی اس سے دور کی جائے گی جس میں پلیدی ہو اور پاک صاف نہ ہو۔

اب دو حال سے خالی نہیں، یا تو حضرت علی، حسین، اور فاطمہ زہرا معصوم نہیں تھے، یا اس آیت میں وہ مراد نہیں ہیں؛ لیکن پہلی صورت تو آپ کے عقائد میں داخل ہے لامحالہ پچھلی صورت ماننی پڑے گی، یعنی اہل بیت سے وہ مراد نہیں بلکہ ازواج مطہرات ہیں۔

شیعہ ہم پر یہ اعتراض نہیں کر سکتے: کیوں کہ ہمارے نزدیک ازواجِ مطہرات معصوم نہیں تھیں، اور انہی پر کیا حصر ہے معصوم تو سوائے انبیا کے کوئی نہیں تھا۔

ظاہر ہے کہ ازواج مطہرات سے جو لغزشیں زوجیت رسول سے پہلے اور بعد ہوئیں ان کی نسبت وعدۂ تطہیر بہت مناسب ہے۔

حضراتِ شیعہ یا تو اپنے ائمہ معصومین کی عصمت سے ہاتھ دھو کر دست بردار ہوں، یا تسلیم کریں کہ اہل بیت سے وہ مراد نہیں ہیں بلکہ یہ فضیلت فقط ازواج مطہرات کے حصہ میں آئی ہے۔

اڈیٹر صاحب مہمل مہمل باتیں لکھ کر فضول کتاب کا حجم بڑھاتے ہیں؛ کیوں کہ حضرت! ارادۂ خدا میں تخلّف کہاں لازم آتا ہے؟ اگر ہم تسلیم بھی کر لیں کہ حضرت علی نے اپنی ماں اُم المومنین عائشہ سے بغاوت نہیں کی بلکہ جناب عائشہ نے امام پر خروج کیا تو غایت مافی الباب یہ ہوگا کہ علی نے کوئی معصیت نہیں کی بلکہ گناہ عائشہ سے سرزد ہوا۔ پھر تو کیا؟۔

اللہ تعالیٰ تو اسی کو فرماتا ہے اور اسی کا وعدہ کرتا ہے کہ اہل بیت نبی! خدا کو تو بس یہی منظور ہے کہ تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا پاک صاف بنانے کا حق ہے۔

باقی رہا اڈیٹر صاحب کا یہ وہم کہ آیت میں خلاف سیاق ضمائر تذکیر کیوں لائی گئیں تو اس کے چند جواب ہیں۔

اوّل: قرآن کی سورۂ ہود میں ملائکہ علیہم السلام نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بی بی حضرت سارہ سے یوں خطاب کیا :

اَ تَعۡجَبِیۡنَ مِنۡ أَمۡرِ اللّٰهِ رَحۡمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ عَلَيۡكُمۡ أَهۡلَ الۡبَيۡتِ . (سورۂ ہود:۱۱/۷۳)

اب میں اڈیٹر صاحب سے پوچھتا ہوں کہ خطاب تو بی بی سارہ سے ہے، صیغہ بھی واحد مؤنث حاضر ہے، پھر علیکم میں 'ضمیر مذکر' کی کیوں لائی گئی۔ پس جو جواب آپ یہاں عنایت فرمائیں وہی جواب ہماری طرف سے آیۂ تطہیر میں قبول فرمائیں ۔ یہ تو اِلزامی جواب تھا۔

دوسرے: زبان عربی کا قاعدہ ہے کہ جو حکم فقط عورتوں سے مختص ہوتا ہے اس کو صیغۂ تانیث میں بیان کرتے ہیں، اور جو حکم کہ فقط مردوں کے لیے یا مردوں اور عورتوں دونوں کے لیے ہو اس کو صیغۂ تذکیر میں بیان کرتے ہیں؛ چنانچہ نماز، روزہ، زکوٰۃ وغیرہ سارے احکام قرآن میں صیغۂ تذکیر ہی کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور کچھ شبہہ نہیں کہ عورتیں ان احکام میں شامل ہیں۔

سورۃ الاحزاب کی آیات مذکورہ میں جہاں تک احکام اور تعلیم تھی وہ صرف ازواج مطہرات سے متعلق تھیں؛ اس لیے وہ صیغۂ تانیث میں بیان ہوئے؛ لیکن وعدۂ تطہیر میں اللہ تعالیٰ کو اور دوسرے اہل بیت کا داخل کرنا بھی منظور تھا اس لیے تذکیر کے ضمائر لایا تا کہ ازواج مطہرات کے سوا دوسرے اہل بیت بھی اس وعدے میں آجائیں، مثلاً حضرت علی، حضرت فاطمہ اور حسنین رضی اللہ عنہم اور یہی وجہ ہے کہ ضمیر جمع مذکر حاضر کی لایا کہ جن (ازواج مطہرات) سے خطاب ہے وہ بھی شامل ہوں اور ان کے سوائے دوسرے اہل بیت بھی۔

تیسرے: اگر اہل بیت سے ازواجِ مطہرات نہ مراد ہوں تو کلام الٰہی میں نقص

لازم آئے گا؛ کیوں کہ ضمیر مذکر حاضر کی ہے اور مخاطب مذکور نہیں ہے، پس آیت کے ماقبل و مابعد جن نفوسِ متبرکہ سے خطاب ہے وہی اصلی اہل بیت ہیں، یعنی ازواجِ مطہرات سلام اللہ علیٰ نبینا و علیہنّ وصلواتہ۔

الغرض! سیاق انطباق واقعات اور اطلاق فی المحاورات سب اس کے شاہد ہیں کہ آیت تطہیر کا تعلق صرف ازواجِ مطہرات سے ہے اور ضمناً حضرت علی اور بی بی فاطمہ وغیرہا بھی شامل ہیں و لا شک اَنہٗ الحق ۔

دوسری دلیل شیعوں کی، اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ ابتداے آیات میں بصیغۂ ندا تخاطب ہے، بخلاف اس حصہ کے جس میں ندا (صرف ندا کہیے) نہیں ہے بلکہ تخاطب ہے مع اظہار عظمت وجلالت کے۔

الجواب معلوم نہیں اڈیٹر صاحب کچھ منشی چیز کھا گئے ہیں یا کیا بات ہے جو ایسی بہکی بہکی باتیں کررہے ہیں۔ اجی حضرت! ندا و تخاطب میں فرق ہی کیا ہے؟ یہ کہیے کہ یہاں حرفِ ندا گر گیا ہے پھر تو اس میں حرج ہی کون سا ہے؟۔

ثانیاً: یہ عقلی و نقلی دلائل سے ثابت ہو چکا ہے کہ اصلی اہل بیت ازواج مطہرات ہیں اور اس آیت میں تخاطب بھی ازواج مطہرات ہی سے ہے اور وہی اہل بیت ہیں اور چونکہ کئی جگہ نساء النبی کے ساتھ حرفِ ندا لایا گیا تھا؛ اس لیے آخر میں اہل بیت پر سے حرفِ ندا حذف کردیا گیا۔ پھر اگر بقول اڈیٹر صاحب کے اسی تخاطب میں اظہار عظمت وجلالت ہے تو سچ ہے؛ کیوں کہ ازواج مطہرات کی عظمت وجلالت میں سوائے منافقین کے شک کس کو ہے؟۔

حرف ندا وہیں لایا جائے گا جہاں کسی کو مخاطب کرنا مقصود ہے اور ظاہر ہے کہ لفظ اہل البیت پر تقدیراً حرفِ ندا موجود ہے اور اسی وجہ سے اہل کے لام پر نصب ہے پھر دونوں حصوں میں ذہین اڈیٹر صاحب کیا فرق پیدا کرتے ہیں؟۔

ثالثاً: اگر بقول اڈیٹر صاحب کے اس آیت میں اہل البیت سے علی وحسین، بی بی فاطمہ ہی مراد ہیں تو وہ فرمائیں کہ آیت میں کون سا اظہارِ عظمت وجلالت ہے؟۔

اگر تخاطب اور حرفِ ندا کا نہ ہونا مظہر عظمت وجلالت ہے تو قرآن میں جاہلوں کو بھی بصیغہ تخاطب مخاطب کیا گیا ہے جیسا کہ چوبیسویں پارہ میں ہے :

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْنِّیْ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ . (سورۂ زمر:۶۴/۳۹)

یہاں بھی جاہلوں پر کوئی حرف ندا نہیں اور تخاطب ہے۔ پس بقول اڈیٹر صاحب کے اظہارِ عظمت وجلالت ہے یا نہیں! جواب دیں۔

رابعاً: ہاں اگر وعدۂ تطہیر اظہارِ عظمت وجلالت ہے تو اڈیٹر صاحب کو سنیوں کے مقابل میں ایسی بات کہتے ہوئے شرم کرنی چاہیے۔ بلا شک ازواجِ مطہرات اور اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وعدۂ تطہیر کا ہونا ان کی عظمت وجلالت کا اعلیٰ ثبوت ہے، مگر شیعوں کے مذہب پر نہیں بلکہ بموجب سنیوں کے اُصولِ مذہب کے۔

اس لیے کہ شیعہ ان حضرات (اپنے اہل بیت) کو معصوم عن الصغائر والکبائر فرض کرتے ہیں اور معصوم کے لیے وعدۂ تطہیر عبث ہے۔

اڈیٹر صاحب نے اپنی دلیل کی نظیر میں جو سورۂ یوسف کی نظیر پیش کی ہے وہ بھی ان کی لیاقت علمی کی دلیل ہے جو خود اُن کے دعوے کے خلاف ہے۔

یُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا وَاسْتَغْفِرِیْ لِذَنْبِکِ اِنَّکِ كُنْتِ مِنَ الْخَاطِئِيْنَ . (سورۂ یوسف:۲۹/۱۲)

یوسف! اس بات کو جانے دو اور (اے عورت) تو اپنے قصور کی معافی مانگ کیوں کہ سرتا سر تیری ہی خطا ہے۔

اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ صدر جملہ میں تو خطاب یوسف سے ہے جس کے لیے

ضمیر مذکر لائے، اس کے بعد خطاب زوجۂ عزیز سے ہے جس کے لیے کل ضمائر تانیث کی ہیں، اسی طرح یہاں بھی اولاً خطاب نساء النبی سے ہے پھر مخاطبۂ اہل بیت شروع ہوا.فقط

الجواب: اوّلاً یوسف کے لیے صرف ایک صیغہ اعراض واحد مذکر حاضر کا ہے جو مرد کے لیے خاص ہے اور واحد مذکر صیغہ میں عورت کا شمول ہو ہی نہیں سکتا۔ اسی طرح زوجۂ عزیز کے لیے دو صیغے استغفری اور کنت واحد مؤنث حاضر کے اور دو ضمیریں ذنبک اور انک مؤنث حاضر کی ہیں اور ان مؤنث حاضر کی ضمیروں میں مرد شامل نہیں ہو سکتا۔

شاید اڈیٹر صاحب کو علم صرف ذہول ہو گیا؛ اس لیے کہ نہ واحد مذکر کے صیغہ میں عورت کا شمول ممکن ہے، نہ واحد مؤث کے صیغہ میں مرد کا شمول ممکن ہے۔ البتہ واحد مؤنث کا اِطلاق مردوں کی جماعت پر ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ یہاں جماعت نہیں ہے بلکہ صرف حضرت یوسف کی ایک ذات ہے جو کسی طرح زوجۂ عزیز کی ہمراہی صیغۂ مؤنث میں نہیں کر سکتے۔ اور جمع مذکر کا صیغہ مرد و عورت دونوں کے واسطے ہوتا ہے لیکن یہاں مذکر کا صیغہ بھی واحد ہی ہے اور اس میں زوجۂ عزیز کا شامل ہونا ناممکن ہے۔ ہاں! تثنیہ یا جمع مذکر کا صیغہ یا ضمیر ہوتی ہے تو مرد و عورت دونوں آ سکتے تھے جیسا کہ اسی آیت میں موجود ہے جو ہمارے دعوے کا اثبات اور اڈیٹر صاحب کے دعوے کا بطلان کر رہی ہے۔

اڈیٹر صاحب ملاحظہ فرمائیں کہ انک کنت من الخاطئین میں دو ضمیریں مؤنث کی ہیں؛ لیکن خاطئین جمع مذکر کا صیغہ ہے؛ حالانکہ مخاطب زوجۂ عزیز ہے جو عورت ہے۔ پس اڈیٹر صاحب جواب دیں کہ خطاب تو عورت سے ہے اور صیغہ مذکر کا کیوں لایا گیا اور جو جواب وہ یہاں عنایت فرمائیں وہی جواب ہماری طرف سے اس آیت تطہیر میں لکھیں۔

اب ہم اس سے بھی واضح دلیل پیش کرتے ہیں اور انصاف چاہتے ہیں۔ سورۃ العنکبوت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

قَالُوْا لاتَخَفْ وَلاتَحْزَنْ اِنَّا مُنَجُّوْکَ وَاَهْلَکَ اِلَّا امْرَءَ تَکَ کَانَتْ مِنَ الْغَابِرِیْنَ . (سورۂ عنکبوت:۲۹/۳۳)

فرشتوں نے (لوط سے) کہا آپ خوف نہ کریں اور نہ آزردہ خاطر ہوں ہم آپ کو اور آپ کے اہل کو بچالیں گے: مگر آپ کی بی بی کہ وہ تو پیچھے رہنے والوں میں ہوگی۔

ف اس آیت میں دو باتیں ہمارے دعوے کی موید ہیں: اوّل یہ کہ بی بی اہل بیت میں ہے؛ اس لیے کہ آیت میں 'امــــرء تک' کا لفظ مستثنیٰ ہے اور اس کا مستثنیٰ منہ سوائے 'أهــــلک' کے دوسرا لفظ ہو نہیں سکتا، اور معنی یہ ہیں کہ اے لوط! ہم تمہارے گھر والوں کو بچالیں گے؛ مگر تمہاری بی بی کو نہیں جو پیچھے رہنے والوں میں سے ہے۔

صاف ظاہر ہے کہ لوط کی بی بی اُن کے گھر والوں میں اور اہل بیت میں تھی؛ مگر اُس کے نصیب میں نجات نہیں تھی؛ کیوں کہ اس نے پیچھے رہ جانے والوں کا ساتھ دیا۔

دوسرے: یہ کہ مذکور تو لوط کی بی بی کا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں تھی؛ مگر کــانت من الغابرین میں غابرین مذکر کا صیغہ کیوں لایا گیا؛ حالانکہ کانت خود مونث کا صیغہ ہے۔

پھر ایک صیغہ مونث کا ایک صیغہ مذکر کا ایک ہی نفس کے ذکر میں لانا یہ کیا بات ہے، ایڈیٹر صاحب جواب دیں، اور جو کچھ جواب وہ یہاں عنایت فرمائیں وہی جواب ہماری طرف سے آیت تطہیر میں بھی قبول فرمائیں۔

تیسرے: یہ کہ یہ تو الزامی جواب تھا تا کہ شیعوں کا لب بند کردیا جائے، اصلی سبب وہی ہ جو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ذکر تو لوط علیہ السلام کی بی بی کا ہے لیکن چونکہ پیچھے رہنے والے اور بہت سے لوگ تھے جن میں مرد وعورت سب شامل تھے: اس لیے صیغہ جمع مذکر کا لایا گیا تا کہ لوط کی بی بی کے ساتھ سب مرد بھی اس کے تحت آجائیں۔

اِسی آیت تطہیر میں خطاب ازواجِ مطہرات سے ہے اور وہی اصلی اہل بیت ہیں

لیکن بیانِ تطہیر میں جمع مذکر کی ضمیر اس لیے لائی گئی تا کہ ازواجِ مطہرات کے سوا اور جو اہل بیت ہیں وہ بھی اس وعدۂ تطہیر میں آ جائیں؛ کیوں کہ صیغہ مونث میں وہ لوگ نہیں شامل ہو سکتے تھے۔

تیسری دلیل: اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں: ’آیات صدر میں تمام تر اَحکام ہیں جن میں ایک طرح کی زجروتوبیخ کی گئی ہے بخلاف اِس آیت کے جس میں کمال درجہ اِن کی عظمت وجلالت کا اِظہار ہوا ہے۔

الجواب: اگر احکام اور زجروتوبیخ کا ہونا تحقیر اور عدم توقیر وتطہیر کا ثبوت ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تحقیر وعدم تطہیر اِس سے بھی زیادہ ہونی چاہیے۔ نعوذ باللّٰہ من ذالك الكفر. یہاں میں صرف تین آیتوں کے لکھنے پر کفایت کرتا ہوں۔

پہلی آیت سورۂ عبس میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

عَبَسَ وَتَوَلَّى ، أَن جَآءَ هُ الْأَعْمٰى ، وَمَا يُدْرِيكَ لَعَلَّهُ يَزَّكّٰى ، أَوْ يَذَّكَّرُ فَتَنفَعَهُ الذِّكْرٰى ، أَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰى ، فَأَنتَ لَهُ تَصَدّٰى .

(سورۂ عبس: ۸۰/ ۱ تا ۶)

(محمد) اتنی بات پر چیں بجبیں ہوئے اور منہ موڑ بیٹھے کہ نابینا اُن کے پاس آیا اور اے پیغمبر! تم کیا جانو عجب نہیں کہ وہ سنور جائے یا نصیحت سنے اور اس کو نصیحت سودمند ہو تو جو شخص بے پروائی کرتا ہے اُس کی طرف تم خوب توجہ کرتے ہو!۔

ف ناظرین غور فرمائیں کہ ازواجِ مطہرات کو جو اَحکام دیے گئے یا بقول اڈیٹر صاحب کے اُن کی زجروتوبیخ کی گئی وہ کسی فعل کے صادر ہونے پر نہیں بلکہ صرف یہ فرمایا گیا کہ اگر تم خلاف کرو گے تو تمھارے لیے دہرا عذاب ہے؛ کیوں کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو بلکہ اپنے زمانے کی کل عورتوں سے افضل ہو؛ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جو کہا گیا ہے وہ ایک فعل خلاف مرضی خدا کے سرزد ہونے پر کہا گیا۔ پس ضرور ہے کہ

بقول اڈیٹر صاحب کے اُن کے ائمہ معصومین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے **افضل** ہوں جیسا کہ شیعوں کا عقیدہ ہے۔

دوسری آیت سورۂ بنی اسرائیل میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلاَ تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً إِلىٰ عُنُقِكَ وَلاَتَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْماً مَّحْسُوْرًا . (سورۂ اسراء: ۲۹/۱۷)

اور اے **محمد** ﷺ! اپنا ہاتھ نہ تو اتنا سکڑو کہ گردن میں بندھ جائے اور نہ بالکل اُس کو پھیلا ہی دو (ایسا کروگے) تو تم ایسے بیٹھے رہ جاؤ گے کہ لوگ تم کو ملامت بھی کریں گے اور تم تہی دست بھی ہوگے۔

ف اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم اور حکم کے ساتھ یہ زجر و توبیخ کی گئی ہے کہ نہ فضول خرچی کرنا، نہ بخل کو راہ دینا، اور اگر ایسا کروگے تو قابل ملامت اور حسرت زدہ ہوگے۔

تیسری آیت بھی اسی سورہ میں ہے جہاں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَلاَ تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهاً آخَرَ فَتُلْقٰى فِيْ جَهَنَّمَ مَلُوْماً مَّدْحُوْرًا . (سورۂ اسراء: ۳۹/۱۷)

اور اے **محمد** ﷺ! خدا کے ساتھ کوئی اور معبود نہ بنانا؛ ورنہ تم ملزم راندہ بنا کر جہنم میں جھونک دیے جاؤ گے۔

ف شیعوں خصوصاً اڈیٹر صاحب اصلاح کے مذہب کی بنا پر تو اس آیت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہا درجہ کی زجر و توبیخ کی گئی ہے حتی کہ ان کو جہنم میں جھونک دینے کو فرمایا گیا۔ اور جب خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں ایسا کچھ ہے تو علمائے شیعہ خصوصاً اڈیٹر صاحب اَزواج مطہرات کے بارے میں کیوں زبانِ طعن دراز کرتے ہیں۔

پس بقول اڈیٹر صاحب کے ائمہ معصومین رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت ہی افضل تھے کہ بجز تعظیم وتوقیر اور اظہارِ مراتب ان کے نہ کہیں زجر ہے نہ توبیخ، نہ تخاطب ہے نہ تحقیر۔

پھر اب تو سنیوں کو جواب دینے کی ضرورت نہیں ہے؛ کیونکہ جب پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی ان کے اماموں کا درجہ بڑھا ہوا ہے تو ازواج مطہرات کس شمار وقطار میں ہیں!۔

واقعی حضرات شیعہ کا ایسے ہی اعتقاد ہے جو ان کی خاص بدیہی کتابوں میں مدلل ہیں، چنانچہ ان میں کی ایک دلیل تو ناظرین اس صفحہ پر دیکھ چکے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اڈیٹر صاحب اسی پرچے میں فرماتے ہیں کہ نہج البلاغہ جو حضرت علی کی تصنیف ہے وہ شیعوں کے اعتقاد میں تحت کلام الخالق وفوق کلام المخلوق ہے۔ مخلوق عام ہے اور جب حضرت علی کا کلام عام مخلوق سے بہتر ٹھہرا تو حدیث رسول اللہ ﷺ سے بہتر ٹھہرا؛ کیونکہ مخلوق میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم داخل ہیں اور ان کو مستثنیٰ نہیں کیا گیا۔ یہ تو شیعوں کے عجیب وغریب مذہب کا حال ہے۔

اب ناظرین واقعی بات سنیں کہ جو جس قدر عزیز وقریب ہوتا ہے اتنا ہی زیادہ اس کو کہا جاتا ہے۔ اپنے لڑکے کو آدمی مارتا ہے؛ لیکن غیر کے لڑکے کو گو وہ کتنا ہی بڑا قصور کرے گھڑکنا بھی پسند نہیں کرتا، پس اپنوں کو گھڑکنا اور غیر کے لڑکے کو کچھ نہ کہنا اپنائیت اور یگانگت کی وجہ سے ہے، نہ اس وجہ سے کہ اپنا لڑکا اپنی نظروں میں ذلیل ہے اور دوسرے عزیز ہیں۔ اور یہ اس امر کی دلیل ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ازواج مطہرات سب سے زیادہ مقربِ بارگاہِ الٰہی ہیں۔ اسی لیے ان کا مرتبہ بھی اعلیٰ ہے اور جو کوئی خطا کریں تو ان کا جرم بھی سب سے زیادہ ہے۔

مثلاً انسان اور باقی حیوانات کہ حیوانات مطلقہ کے لیے نہ ثواب ہے نہ عذاب ہے

اور انسان مکلّف ہے، حیوانات سے اعلیٰ درجہ پر ہے۔ اگر مرضی الٰہی کے موافق چلے اس کے لیے درجاتِ عالیہ ہیں اور جو گمراہی کے جنگل میں جارہے تو اس کے لیے گونا گوں عذاب اور جہنم کی سختیاں ہیں۔

پس انسان کا ثواب وعقاب اس کی بزرگی کی وجہ سے ہے نہ اس وجہ سے کہ وہ حیوانات سے کمتر ہیں اور درگاہِ الٰہی میں ذلیل وخوار ہیں۔ یہی حال ازواج مطہرات کا ہے۔

دوسرے: یہ کہ اگر اللہ تعالیٰ نے ان پاک نفوس کو عتاب آمیز کلمات میں مخاطب بھی کیا تو کون سی قیامت ہے؛ کیونکہ خدا کی شان ہماری عقل سے زیادہ اَرفع واعلیٰ ہے، پیغمبر اور غیر پیغمبر سب اس کے بندہ ہیں، یہ کچھ ضرور نہیں کہ ہم جیسے عزت ان کی کرتے ہیں خدا بھی ان کی ویسی ہی عزت کرتا رہے۔

ضلع کا کلکٹر ضلع والوں کی نظروں میں بہت محترم اور عوام اس کو اپنی دانست میں اعلیٰ سے اعلیٰ القاب کے ساتھ مخاطب کرتے ہیں اور اپنا حاکم اعلیٰ سمجھتے ہیں؛ لیکن کیا بادشاہِ وقت بھی کلکٹر کو اسی اِحترام اور وقعت کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ اور کیا قیصر ہند کو بھی ضرور ہے کہ اس کی ویسی ہی عزت کرے اور کبھی عتاب کے الفاظ اس کی شان میں استعمال نہ کرے۔

چوتھی دلیل: اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اگر خدا کو انہیں ازواج کے بارے میں یہ ارشاد کرنا تھا تا یہ لفظ نساء النبی ان سے تخاطب ہوتا آیا تھا۔ **اہل بیت** کے لفظ زائد لانے کی کیا ضرورت تھی؟۔

الجواب، اوّل یہ کہ ہم نے عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کردیا ہے کہ اہل بیت سے ازواج مطہرات خاص طور پر مراد ہیں اور ضمناً حضرت علی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ اب اڈیٹر صاحب کو ایسی ہی ضرورت ہے تو اللہ سے جا کر جواب طلب کریں کہ تو نے کیوں ہمارے منشا کے خلاف کام کیا، ازواجِ نبی کو نساء النبی تخاطب کرتا تھا یہاں اہل بیت کیوں کہہ دیا

جس سے شیعوں کو سخت مشکل پیش آئی !۔

دوسرے: ہم تو بار بار سمجھاتے ہیں کہ اے حضرت اڈیٹر صاحب ! اہل بیت کا لفظ اس لیے اللہ تعالیٰ نے استعمال کیا ہے تا کہ ازواج مطہرات کے سواے دوسرے اہل بیت بھی وعدۂ تطہیر میں شامل ہو جائیں؛ کیوں کہ اگر یہاں بھی یہ لفظ نساء النبی تخاطب ہوتا تو حضرت علی اور بی بی فاطمہ وغیرہ شامل نہیں ہو سکتی تھیں؛ لیکن نہ معلوم ہماری تحریر ایسی مغلق ہے یا اڈیٹر صاحب کا ذہن کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ کسی طرح یہ مضمون ان کی سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ قرآن کی سورۂ ہود میں فرشتوں نے ابراہیم علیہ السلام کی بی بی حضرت سارہ کو اہل بیت نبی قرار دیا اور ان پر اللہ کی رحمت و برکت کے نازل ہونے کی دعا فرمائی؛ اسی لیے یہاں خود اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازواج مطہرات کو اہل بیت نبی فرمایا اور خود ان کو پاک کرنے کا وعدہ دیا تا کہ یہ بات سب پر روشن ہو جائے۔ چونکہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاکباز بی بیاں سب سے بہتر ہیں اور جس طرح محمد ﷺ تمام پیغمبروں سے افضل ہیں، ان کی بی بیاں بھی تمام پیغمبروں کی بی بیوں سے افضل و بہتر ہیں۔

پانچویں دلیل: اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ 'پھر عام مسلمانوں میں یہ کیوں رائج ہوا کہ ازواج کے لیے مطہرات مستعمل ہوتا ہے اور اہل بیت کے لیے اہل بیت طیبین وطاہرین ومعصومین'۔

الجواب، یہ تحریر ان مکاید میں سے ہے جس پر ہمیشہ سے شیعوں کا عمل درآمد رہا ہے۔

پہلا جواب: کیوں اڈیٹر صاحب! ذرا یہ تو فرمایئے کہ عام مسلمانوں سے آپ کی مراد کیا ہے؟ عام مسلمان شیعہ یا سنی۔ اگر شیعہ مراد ہیں تو اس کی وجہ آپ خود جانتے اور اگر سنی مراد ہیں تو وہ بے شک ازواج کے ساتھ مطہرات اور اہل بیت کے ساتھ طاہرین کا لفظ استعمال کرتے ہیں؛ مگر طیبین ومعصومین کا لفظ اہل سنت ہرگز ہرگز اہل بیت کے ساتھ نہیں

لگاتے؛ کیونکہ مذہب سَنیہ سُنیہ میں سوائے انبیا علیہم السلام کے کوئی فرد معصومین نہیں ہے۔ یہ آپ کا فریب ہے جو عام مسلمان لکھ کر نا خواندہ مسلمانوں کو پھنسانا چاہتے ہیں۔

دوسرا جواب: اور کیوں اڈیٹر صاحب! بھلا آپ بھی عام مسلمانوں کے اس رائج شدہ عقیدہ کو تسلیم کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر آپ کے عقیدہ میں یہ عقیدہ صحیح نہیں ہے تو آپ نے اس کو اپنی دلیل میں ناحق پیش کیا اور جو یہ عقیدہ آپ کے نزدیک صحیح ہے تو آپ بھی ازواج نبی علیٰ نبینا وعلیہنَّ السلام کی ازواجِ مطہرات کہیے پھر ہم میں آپ میں صلح ہی صلح ہے۔

لیکن آپ تو ازواجِ مطہرات کو مطہرات نہیں مانتے بلکہ-نعوذ باللہ منہا-آپ کے اکابر علما ان پر تکفیر کے فتوے دے کر خسر الدنیا والآخرۃ کے مصداق ہوئے۔

تیسرا جواب: اب ہم سے سنیے کہ آیت تطہیر میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیت کو جن میں ازواج مطہرات کو حق امتیاز حاصل ہے پاک کرنے کی خوشخبری دی ہے؛ اسی لیے اہل سنت کا فرقۂ ناجیہ ان کو ازواجِ مطہرات کہتا ہے؛ کیونکہ مُطَهَّر تطہیر کا اسم معمول ہے اور مطہرات اس کی جمع ہے۔

اور اہل بیت کو طیبین وطاہرین کہتے ہیں، معصومین ہرگز نہیں کہتے؛ چونکہ خاص کر ازواجِ نبی کو اللہ تعالیٰ نے مخاطب کیا ہے؛ اس لیے مطہرات کا لقب انہیں کے لیے خاص ہوا اور اہل بیت کو تعظیماً طیبین وطاہرین کہتے ہیں یعنی اہل بیت بجائے خود پاک ہیں اور ازواجِ مطہرات کو اللہ تعالیٰ نے خصوصیت کے ساتھ پاک کیا اور خاص کر آیت تطہیر ان کی شان میں نازل فرمائی، پس جس کی شان میں آیۂ تطہیر نازل ہوئی اسی کا لقب مطہر پڑا۔

الغرض! یہ ساتوں آیاتِ قدسیہ ازواج مطہرات کے فضائل ومناقب میں وارد ہیں اور جن سے ان کا افضل وبہتر ہونا اور اہل بیت نبی ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا؛ لیکن شیعہ ان آیات کو اُلٹے ازواج مطہرات کے مثالب وہجو میں سند لاتے ہیں سچ ہے ؎

چشم بداندیش کہ برکندہ باد عیب نماید ہنرش درنظر

قرآن مجید میں ماں باپ پر بھی اہل بیت کا اطلاق ہوا ہے؛ چنانچہ سورۃ القصص میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قصے میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے :

وَحَرَّمْنَا عَلَيْهِ الْمَرَاضِعَ مِنْ قَبْلُ فَقَالَتْ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى اَهْلِ بَيْتٍ يَّكْفُلُوْنَهٗ لَكُمْ وَهُمْ لَهٗ نَاصِحُوْنَ فَرَدَدْنٰهُ اِلٰى اُمِّهٖ . (سورۃ قصص :۱۲/۲۸)

اور ہم نے موسیٰ پر پہلے ہی سے (اناؤں کے) دودھ بند کردیے تھے۔اس پر موسیٰ کی بہن نے (فرعون کے لوگوں سے) کہا کہ کہو تو میں تم کو ایسے گھر والے کا پتہ بتاؤں کہ وہ تمہارے لیے اس بچے کی پرورش کریں گے اور وہ اس کی خیر خواہانہ پرداخت بھی کریں گے۔غرض ہم نے موسیٰ کو پھر ان کی والدہ کے پاس پہنچا دیا۔

دلائل نیز قرآن ومحاورات سے ثابت ہو چکا کہ بی بی بچے اور ماں باپ اہل بیت ہیں۔آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت آپ کی بی بیاں اور بیٹیاں تھیں؛ لیکن حضرت علی ان میں داخل ہیں۔

اب ہم ان حدیثوں سے بحث کرتے ہیں جن کو اڈیٹر صاحب نے اپنے دعویٰ کے ثبوت میں پیش کیا ہے اور گویا اپنے زعم باطل میں ثابت کر دکھایا کہ ازواجِ مطہرات رسول اللہ ﷺ کی اہل بیت میں نہیں تھیں۔

پہلی دلیل شیعوں کی:

مسلم نے سعد ابن ابی وقاص سے روایت کی ہے کہ جب آیت مباہلہ نازل ہوئی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے علی، فاطمہ، حسنین کو بلا بھیجا اور ان کو جمع کر کے فرمایا: 'اے اللہ! یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں'۔

مسلم نے عائشہ صدیقہ سے روایت کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ صوف کا کمل اوڑھے ہوئے نکلے، اتنے میں امام حسن آ گئے، آپ نے ان کو کمل میں لے لیا۔ تھوڑی دیر میں امام حسین پہنچے، آپ نے ان کو بھی کمل میں اندر لے لیا، پھر حضرت فاطمہ آئیں، آپ نے ان کو بھی اندر لے لیا، ان کے بعد حضرت علی آئے آپ نے ان کو بھی کمل میں چھپا لیا اور تب یہ آیت پڑھی :

اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا . (سورۂ احزاب:۳۳/۳۳)

(ترجمہ) اے اہل بیت! خدا تو یہی چاہتا ہے تم سے گندگی کو دور کرے اور تم کو ایسا پاک صاف بنائے جیسا کہ صاف بنانے کا حق ہے۔

جواب اوّل: اڈیٹر صاحب کو یہ حدیثیں یا ان کے اَمثال کچھ مفید نہیں ہیں؛ اس لیے کہ اولاً ان حدیثوں سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ یہ چاروں بزرگ علی مرتضیٰ، فاطمہ زہرا، حسن اور حسینؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت میں سے ہیں۔ اڈیٹر صاحب کا یہ زعم کہاں ثابت ہوتا ہے کہ فقط یہی چاروں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہیں؛ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ان چاروں پر حصر نہیں کیا۔

دوسرا جواب: ہم آیاتِ قرآنی نقل کر آئے ہیں جس سے بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ اَزواجِ مطہرات ضرور اہل بیت رسول ہیں اور چونکہ سوائے ان پاک نفوس کے اور کسی کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا؛ اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چند بزرگوں کو الگ کر کے خاص طور پر بھی اپنا اہل بیت فرما دیا تاکہ یہ امر معلوم ہو جائے کہ ازواج مطہرات کے سوائے یہ بزرگانِ اسلام بھی آپ کے اہل بیت ہیں اور وعدۂ تطہیر میں داخل ہیں۔ ازواجِ مطہرات کو علیحدہ اس لیے نہیں فرمایا کہ ان کی شان میں خود قرآن ناطق ہے علیحدہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی!۔

ابن غیلان، ابوالقاسم سہمی اور ابن سری نے روایت کی ہے کہ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے چچا عباس ابن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ اے چچا! کل صبح کو جب تک میں نہ آلوں آپ اور آپ کے بیٹے کوئی گھر سے باہر نہ جائیں، مجھ کو آپ لوگوں سے کچھ کام ہے۔ دوسرے دن آپ حضرت عباس کے مکان پر تشریف لائے، اپنا کمل عباس اور عباس کے بیٹوں پر اوڑھا دیا ایسا کہ وہ سب کمل کے اندر چھپ گئے، پھر فرمایا کہ 'اے میرے پروردگار! یہ میرے چچا میرے باپ کے مثل ہیں، یہ لوگ میرے اہل بیت ہیں، ان کو اپنی رحمت میں چھپالے جس طرح میں نے اپنے کمل میں چھپالیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس دعا پر مکان کی ہر در و دیوار نے آمین کہی'۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عباس اور آپ کے بیٹے بھی رسول اللہ کے اہل بیت سے تھے۔

اَزواجِ مطہرات کو چونکہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے کلام پاک میں اہل بیت نبی قرار دیا اور ان کی شان میں آیۂ تطہیر اُتاری؛ اس لیے ان کو الگ بیان کرنے کی ضرورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہیں تھی؛ مگر بقیہ اہل بیت رضی اللہ عنہم کو جن کا ذکر خاص طور پر قرآن میں نہیں کیا گیا، نہ ان کی صراحت تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خاص کر کے بیان فرمایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ بھی اہل بیت رسول اور وعدۂ تطہیر میں شامل ہیں۔

ترمذی نے اسامہ بن زید سے روایت کی ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مکان پر بیٹھا ہوا تھا، اتنے میں حضرت عباس اور حضرت علی تشریف لائے مجھ سے فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے جا کر عرض کرو کہ ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت چاہتے ہیں۔ میں نے یہ گزارش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں پہنچا دی اور عرض کر دیا کہ علی اور عباس آنے کی اجازت مانگتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے پوچھا: تم جانتے ہو یہ لوگ کیوں آئے ہیں؟ میں نے کہا: نہیں۔ آپ نے فرمایا: تم نہیں، مگر میں جانتا ہوں۔ جاؤ ان کو آنے کی اجازت دو۔ چنانچہ عباس وعلی رضی اللہ عنہما نے حاضر ہوکر پوچھا کہ یارسول اللہ! ہم آپ سے یہ پوچھنے آئے ہیں کہ آپ کے اہل بیت میں کون شخص سب سے زیادہ آپ کو محبوب ہے؟ فرمایا کہ فاطمہ۔

حضراتِ عباس وعلی نے عرض کیا: ہم آپ کی اولاد کے بارے میں نہیں پوچھتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تب میرے اہل بیت میں وہ شخص مجھ کو سب سے زیادہ پیارا ہے جس پر اللہ نے اپنی نعمت بھیجی اور میں نے اپنی نعمت سے اس کو مالا مال کردیا یعنی اُسامہ بن زید۔

حضراتِ علی وعباس نے پوچھا اور اُسامہ کے بعد آپ نے فرمایا: علی ابن ابی طالب تب عباس نے جلدی سے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ نے اپنے چچا کو آخر میں بیان کیا۔ آپ نے فرمایا: ہاں! علی ہجرت میں تم سے آگے ہیں اور چچا تو مثل باپ کے ہیں۔

اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اُسامہ بن زید بھی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے غلام کے بیٹے تھے آپ کے اہل بیت سے تھے۔ سوائے فاطمہ کے آپ انہیں کو اپنے اہل بیت میں سب سے زیادہ چاہتے تھے، اس خصوصیت میں اُسامہ، عباس اور علی سے بھی اعلیٰ درجے پر ہیں۔

طبرانی اور مسلم نے عبدالمطلب بن ربیعہ سے روایت کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: صدقہ لوگوں کی میل ہے اور بے شک یہ میل نہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے لیے حلال ہے، نہ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے گھر والوں کو حلال ہے۔

ترمذی، ابوداؤد اور نسائی نے ابورافع سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: 'بے شک صدقہ ہمارے لیے جائز نہیں ہے'۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ہمارے اہل بیت کو صدقہ لینا جائز نہیں ہے، صدقہ لوگوں کی میل ہے۔ پس جن لوگوں پر (بہ سبب شرافت و بزرگی کے) صدقہ کھانا حرام کیا گیا، وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت ہوئے اور صدقہ بنی ہاشم کے پانچ قبیلوں پر حرام ہے اور وہ پانچ قبیلے یہ ہیں: آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل اور آلِ حارث رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ یہی مذہب زید بن ارقم کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کل وہ بنی ہاشم ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

ایک حدیث سب سے عام ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

كل من يتقى فهو آلي .

یعنی جو اللہ سے ڈرے اور پرہیز گاری کرے وہ میری آل ہے۔

تو اس بنا پر ہر پرہیز گار، خاندانِ رسول میں داخل وشامل ہو جائے گا۔

دوسری دلیل شیعوں کی:

وہ حدیث ہے جس کو زید بن ارقم نے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ کی حمد وثنا بیان کی، پھر فرمایا: اے لوگو! میں تم میں دو بھاری چیزیں چھوڑتا ہوں، ان دو میں سے ایک تو کتاب اللہ ہے (جس کو آج شیعہ محرف کہتے ہیں اور کتاب اللہ تسلیم نہیں کرتے) اس میں ہدایت اور روشنی ہے، پس تم لوگ کتاب اللہ کو مضبوط پکڑے رہنا۔ پھر فرمایا اور (دوسری) میرے اہل بیت ہیں۔ میں تم کو اپنے اہل بیت (کے سلسلے) میں خدا یاد دلاتا ہوں، میں تم کو اپنے اہل بیت میں خدا یاد دلاتا ہوں، میں تم کو اپنے اہل بیت میں خدا یاد دلاتا ہوں۔

جب زید بن ارقم یہ حدیث بیان کر چکے تو حصین نے پوچھا کہ اے زید! آپ ﷺ کے

اہل بیت کون لوگ ہیں، کیا آپ کی بی بیاں آپ کے اہل بیت سے نہیں ہیں؟۔

زید نے جواب دیا: ہاں! آپ ﷺ کی بی بیاں آپ کے اہل بیت سے ہیں۔ لیکن آپ کے اہل بیت دراصل وہ لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

حصین نے پوچھا: وہ کون لوگ ہیں؟ زید نے جواب دیا: آل علی، آل عباس، آل عقیل، اور آلِ جعفر رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔

الجواب: اڈیٹر صاحب ناحق اس حدیث کو اپنے دعوی کی سند پیش کرتے ہیں۔

اوّلاً: تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صرف اہل بیت فرمایا اور اہل بیت کون لوگ ہیں اس کی تعیین خود نہیں فرمائی، پس اہل بیت سے وہی لوگ مراد ہوں گے جو قرآن وحدیث اور عرف وعقل سے ثابت ہیں یعنی بی بی اور لڑکے۔

ثانیاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل بیت کو بار بار اس لیے فرمایا کہ اپنے حالات سے اپنے گھر والے ہی خوب واقف ہوتے ہیں، پس مسائل وغیرہ کے حل کرنے اور پونچھ پانچھ میں اہل بیت سے بہت مدد ملے گی اور ظاہر ہے کہ اس بارے میں ازواج ہی اعلی درجے پر ہیں، بی بیاں جس قدر اپنے حالات سے واقف ہوں گی دوسرا کوئی نہیں ہوسکتا اور اس لیے جس قدر مسائل ازواجِ مطہرات خصوصاً عائشہ صدیقہ سے اُمت میں شائع ہوئے کسی دوسرے سے نہیں ہوئے۔

ثالثاً: روایت حدیث کے بعد جب حصین نے زید بن ارقم سے سوال کیا کہ رسول اللہ کے اہل بیت کون ہیں اور کیا ازواجِ مطہرات اہل بیت رسول ہیں یا نہیں تو انہوں نے یہ جواب دیا کہ ازواج مطہرات اہل بیت رسول ہیں؛ لیکن رسول کے اہل بیت وہ لوگ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

میں نہیں سمجھتا کہ اڈیٹر صاحب زید بن ارقم کے اس مقولہ سے کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں

کیونکہ انہوں نے ازواجِ مطہرات کو اہل بیت نبی سے خارج نہیں کیا بلکہ صاف صریح الفاظ میں فرمادیا کہ آپ کی بی بیاں آپ کے اہل بیت سے ہیں؛ لیکن وہ لوگ بھی آپ کے اہل بیت سے ہیں جن پر صدقہ حرام ہے یعنی بنی ہاشم کے پانچ قبیلے۔

اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں: 'دیکھیے اس حدیث میں اگرچہ سوالِ حصین پر زید بن ارقم نے اس قدر کہہ دیا کہ ہاں! ازواج بھی اہل بیت سے ہیں؛ مگر جو دلیل قائم کی اس سے وہ یقیناً خارج ہیں؛ کیونکہ جب کہہ دیا کہ اہل بیت ان کے وہی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے تو ازواج نکل گئیں'۔

الجواب: اے جناب! آپ فرماتے ہیں کہ صرف اس قدر کہہ دیا، ہاں ازواج بھی اہل بیت سے ہیں۔ میں پوچھتا ہوں کہ پھر کس طرح فرماتے جو آپ کی سمجھ شریف کے اندر کے بیچوں بیچ میں آتا اور آپ سمجھ جاتے کہ زید نے ازواج کو بھی اہل بیت سے فرمایا۔

آپ بھی اسی قدر فرماتے ہیں کہ علی، فاطمہ، حسن، اور حسین اہل بیت رسول اللہ ہیں، پھر اگر اس کہنے سے ان بزرگوں کو اہل بیت سے ہونا سمجھ میں آجاتا ہے تو زید بن ارقم کے اس قول سے بھی اپنے کو سمجھا لیجیے کہ ازواج اہل بیت ہیں۔

پھر آپ فرماتے ہیں: 'مگر جو دلیل قائم کی'۔ اے صاحب! ذرا حواس کی باتیں کیجیے، دعویٰ و دلیل کیسا۔ وہاں کچھ بحث بازی تھوڑا ہی ہو رہی تھی، بات تو اتنی ہے کہ زید بن ارقم نے حصین کے سوال پر ازواج مطہرات کو اہل بیت نبی فرمایا اور پھر فرمایا کہ 'مگر اہل بیت وہ لوگ بھی ہیں جن پر صدقہ حرام ہے'۔ تو فرمایئے اس کہنے سے ازواج مطہرات خارج کیونکر ہو گئیں!۔ پتھر پڑیں اس سمجھ پر کہ کسی طرح سے سمجھ ہی میں نہیں آتا۔

اے جناب! آپ یوں سمجھئے کہ زید بن ارقم' ازواج مطہرات اور بنی ہاشم دونوں کو اہل بیت قرار دیتے ہیں۔ مثال کے طور پر سمجھئے کہ اگر کوئی شخص آپ سے سوال کرے کہ کیا حسن بن علی' ہاشمی تھے؟ آپ جواب دیں کہ ہاں وہ ہاشمی تھے اور فاطمہ زہرا کے سب بیٹے

ہاشمی تھے، تو آپ کے اس جواب سے حضرت علی کے وہ بیٹے جو دوسری بی بیوں سے ہیں قبیلۂ بنی ہاشم سے خارج ہو جائیں گے؟۔ایسا تو نہیں ہوسکتا!۔

تو پھر آپ بینا ہو کر کیوں نابینا بنتے ہیں اور ناحق آنکھوں پر تعصب کی پٹی باندھ کر حرمِ رسول کو اہل بیت سے خارج کرنا چاہتے ہیں، جن پاک نفوس کو اہل بیت رسول ہونا تھا وہ ہو چکے ان منافقین کے خارج کرنے اور چیخ و پکار سے وہ تھوڑی ہی خارج ہو سکتے ہیں۔

زید بن ارقم کے مقولہ پر ازواج مطہرات جب اہل بیت نبی سے خارج ہوتیں کہ آپ حصر کر دیے ہوتے کہ فقط وہی لوگ اہل بیت ہیں جن پر صدقہ حرام ہے اور ساتھ ہی ازواج مطہرات کو اہل بیت نہ قرار دیتے، حالانکہ نہ آپ نے حصر فرمایا، نہ ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا۔

مگر آپ تو معنی میں تحریف کرتے ہیں، زید بن ارقم کے قول منقولہ میں کون سا ایسا لفظ ہے جس کے ترجمے میں آپ فرماتے ہیں: 'اہل بیت ان کے وہی ہیں'۔ یہ 'وہی ہیں' جو حصر کا فائدہ دیتا ہے کس لفظ کا ترجمہ ہے، جواب دیجیے۔

پھر میں پوچھتا ہوں کہ زید بن ارقم کو آپ منافق جھوٹا سمجھتے ہیں یا سچا۔اگر جھوٹا سمجھتے ہیں تو ان کے قول سے سند ہی لانا فضول تھا، اگر سچا سمجھتے ہیں تو ان کے ایک ہی قول میں یہ منافقانہ دورنگی کیسی کہ بقول آپ کے پہلے تو ازواج مطہرات کو اہل بیت فرمایا، پھر دلیل ایسی بیان کی جس سے وہ خارج ہو گئیں۔

ہمارے اِعتقاد میں زید بن ارقم سچے صحابی تھے، ان کے قول میں کوئی منافقانہ دورنگی نہیں ہے، وہ تو صاف الفاظ میں فرماتے ہیں کہ ازواج مطہرات' اہل بیت رسول ہیں اور ان کے علاوہ وہ لوگ بھی جن پر صدقہ حرام ہے۔اور جب حصین نے پوچھا کہ وہ کون لوگ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے، تو زید بن ارقم نے ان بنی ہاشم کی تصریح کر دی جن پر صدقہ حرام کیا گیا ہے۔

پھر میں حضرت اڈیٹر صاحب قبلہ سے پوچھتا ہوں کہ زید بن ارقم کے اس مقولہ کو آپ تسلیم کرتے ہیں یا نہیں۔ اگر تسلیم نہیں کرتے تو سند لانا عبث تھا اور جو تسلیم کرتے ہیں کہ وہ بنی ہاشم جن پر صدقہ حرام ہے اہل بیت رسول ہیں تو پھر آپ علی و فاطمہ اور حسین صرف انہیں چار پر اہل بیت نبی کا حصر کیوں کرتے ہیں اور کیوں نہیں تسلیم کرتے کہ عباس وغیرہ بھی اہل بیت نبی تھے جیسا کہ اہل سنت و جماعت کا عقیدہ ہے اور ان کی کتب احادیث سے ثابت ہے۔

آپ لوگ تو عباس وغیرہ کو اہل بیت تسلیم نہیں کرتے اور ان کی شان میں ایسی خرافات بکتے ہیں جن کے لکھنے سے شرم آتی ہے اور ایمان والوں کا قلم تھرتھرانے لگتا ہے۔

تیسری دلیل شیعوں کی:

فقلنامن أهل بيته نساؤه قال لا ام اللّٰه ان المرأة تكون مع الرجل العصر من الدهر ثم يطلقها فيرجع إلى أبيها وقومها أهل بيته أصله وعصبته الذين حرموا الصدقة بعده .

ہم نے کہا کہ حضرت کی ازواج بھی اہل بیت سے ہیں؟ کہا نہیں خدا کی قسم؛ کیونکہ عصر تک زوجہ اپنے شوہر کے ساتھ ہے، جب اس نے طلاق دے دیا تو وہ اپنے باپ اور قوم میں چلی جاتی ہے۔ اہل بیت حضرت کے وہ لوگ ہیں جو ان کے اصل ہیں اور عصبہ ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔

اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اس میں صاف صاف بصراحت زید بن ارقم نے ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا ہے۔ اب آپ کو اختیار ہے کہ اہل حدیث ہو کر اس کو مانیے یا نہ مانیے۔

الجواب: اڈیٹر صاحب کا یہ خطاب مولوی ابوالوفا ثناء اللہ صاحب پانی پتی سے ہے، تو اے جناب اڈیٹر صاحب! مولانا موصوف اہل حدیث ہیں، اہل اقوال علما نہیں

ہیں۔ اگر آپ اہل سنت و جماعت کی معتبر کتب احادیث سے موافق اصول کوئی صحیح حدیث رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پیش کیے ہوتے، جس میں آپ نے ازواج کو اہل بیت سے خارج کیا ہوتا تو البتہ ان کے لیے سند ہوتا؛ مگر یہ تو حدیث نہیں بلکہ آپ خود فرماتے ہیں کہ زید بن ارقم کا قول ہے۔

اہل سنت و جماعت کا تو یہ مسلک ہے کہ جو اَمر کتاب اللہ سے بصراحت ثابت ہے اس کے خلاف قابل قبول نہیں ہے، گو وہ کیسے ہی بڑے سے بڑے عالم وصحابی کا قول ہو، پس اگر قرآن کے خلاف کوئی حدیث رسول یا قولِ صحابی ہو تو اس میں کلام ہوگا کہ آیا وہ حدیث رسول یا قولِ صحابی ہے یا نہیں؛ کیونکہ کتاب اللہ کے خلاف حدیث یا قولِ صحابی ہو ہی نہیں سکتا۔ اور بفرضِ محال صحیح ثابت بھی ہو جائے تو قابل رد ہے۔ اِتنا ممہّد ہو چکا تو اب ہم اصل جواب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

پہلا جواب

ہم نہیں تسلیم کرتے کہ یہ قول زید بن ارقم کا ہے۔ اڈیٹر صاحب کو چاہیے کہ پہلے اس مقولہ کو موافق اہل سنت کے صحیح ثابت کرلیں، تب سنیوں سے جواب طلب کریں۔

دوسرا جواب

ولو فرضنا اگر یہ قول ان کا ہو بھی تو مذہب سنیہ میں مسموع نہیں ہو سکتا؛ کیونکہ اس میں صریح کتاب اللہ کی مخالفت ہے اور ہمارا ظن غالب ہے کہ زید بن ارقم صحابی رضی اللہ عنہ ہرگز نص قرآنی کے مخالف نہیں ہوں گے؛ کیونکہ قرآن میں بالتصریح ازواجِ پیغمبر کو اہل بیت کہا گیا ہے۔ البتہ اہل سنت و جماعت پر اس وقت اِلزام عائد ہو سکتا تھا جب وہ زید بن اَرقم کے قول کو کتاب اللہ پر ترجیح دیتے جیسا کہ اڈیٹر صاحب اور عام شیعہ حضرت علی وغیرہ کے (کلام کو) کلام اللہ پر فوقیت دیتے ہیں۔

تیسرا جواب

اگر یہ قول با صول روایت صحیح بھی ہو تو زید بن اَرقم کے دوقول آپس میں معارض ہوں گے؛ کیونکہ اڈیٹر صاحب نے پہلی روایت میں یہ دکھایا ہے کہ زید بن ارقم نے ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت نبی تسلیم کیا ہے، اوراس روایت میں وہ ایک بھونڈی دلیل کی بنا پر ان کو اہل بیت سے خارج کرتے ہیں۔ جب ایک ہی شخص کے دوقول آپس میں متعارض ہوں تو دونوں نا قابل اعتبار ہو جاتے ہیں، پس زید بن ارقم کا کوئی قول ان دونوں میں سے قابل اِستناد نہیں رہا۔

چوتھا جواب

اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ بی بیاں اہل بیت نہیں ہیں تو آپ کی محترم بی بی خدیجۃ الکبریٰ بھی آپ کی اہل بیت نہ ہوں گی اور حضرت فاطمہ بھی علی مرتضٰی کی اہل بیت سے خارج ہوں گی؛ حالانکہ حضراتِ شیعہ اوراڈیٹر صاحب اس اَمر کو تسلیم نہیں کریں گے۔

پانچواں جواب

شیعوں بالخصوص اڈیٹر صاحب کو زید بن ارقم کی اس دلیل پر ناز نہیں کرنا چاہیے؛ اس لیے کہ اگر ازواج اس لیے اہل بیت سے خارج ہیں کہ وہ طلاق پا کر شوہر کے گھر سے باہر ہو جاتی ہیں اور اپنی قوم میں چلی جاتی ہیں تو اسی دلیل کی بنا پر شیعوں کو علی کے اہل بیت رسول ہونے سے بھی دست بردار ہونا چاہیے؛ کیونکہ عصر کے وقت تک لڑکی اپنے شوہر کی زوجیت میں ہے اور داماد اپنا اہل بیت ہے، عصر کے وقت داماد نے بی بی کو طلاق دے دیا، بیٹی اپنے گھر رہ گئی اور داماد اہل بیت سے خارج ہو گیا۔ پس اگر ازواجِ مطہرات اہل بیت

رسول نہیں ہیں تو حضرت علی بھی اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ہیں؛ کیوں اڈیٹر صاحب جواب دیجیے؟۔

اگر اڈیٹر صاحب یہ فرمائیں کہ حضرت علی نے تو فاطمہ کو عمر بھر طلاق ہی نہیں دیا؛ اس لیے وہ اہل بیت نبی سے خارج نہیں ہو سکتے۔ تو اے اڈیٹر صاحب! آپ ہٹ دھرمی نہ کیجیے، آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی تو اپنی ازواجِ مطہرات کو طلاق نہیں دیا وہ کیوں اہل بیت سے خارج کی جاتی ہیں!۔

چھٹواں جواب

ہم کہتے ہیں کہ ہر شخص کی بی بی اور بچے اس کے اہل بیت ہیں، پس جو اس کی بی بی ہے وہی اس کی اہل بیت سے ہے، عام اس سے کہ کوئی ہو۔ اور جس کے بی بی بچے نہیں ہیں اس کے کوئی اہل بیت ہی نہیں ہوگا۔

ساتواں جواب

بی بی کا اس دلیل سے اپنے شوہر کے اہل بیت سے نہ ہونا کہ وہ طلاق پا کر خارج ہو جاتی ہے، اگر صحیح مان لیا جائے تو بھی یہ اَمر عام لوگوں کے لیے ہوگا، نہ پیغمبر کے لیے۔

آٹھواں جواب

قرآن مجید کی سورۃ الاحزاب میں اللہ تعالیٰ اہل اسلام سے مخاطب ہو کر فرماتا ہے :

وَمَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَلَآ اَنْ تَنْكِحُوْٓا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖٓ اَبَدًا اِنَّ ذٰلِكُمْ كَانَ عِنْدَ اللّٰهِ عَظِيْمًا ۔ (سورۂ احزاب: ۵۳/۳۳)

تم کو کسی طرح شایاں نہیں کہ رسولِ خدا کو ایذا دو اور نہ یہ (بات شایان ہے) کہ ان کے بعد کبھی ان کی بی بیوں سے نکاح کرو۔ خدا کے نزدیک یہ بڑی (بیجا) بات ہے۔

ف اس آیت سے معلوم ہوا کہ پیغمبر کی بی بیوں سے اُمت کو کسی حال میں نکاح کرنا درست نہیں ہے اور اِسی وجہ سے وہ اُم المومنین (مسلمانوں کی ماں) قرار پائیں کہ جس طرح اپنی ماں سے نکاح حرام ہے اسی طرح رسول کی بی بیوں سے کسی طرح نکاح درست نہیں ہے۔ چنانچہ قرآن کی اسی سورہ میں ہے :

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗ اُمَّهٰتُهُمْ. (سورۂ اَحزاب:۶/۳۳)

پیغمبر مسلمانوں پر خود اُن سے بھی زیادہ حق رکھتے ہیں اور ان کی بی بیاں ان کی مائیں ہیں۔

فریقین میں یہ اَمر مسلم ہے، تواریخ معتبرہ شاہد ہیں اور کل اُمم سابقہ کا اِجماع ہے کہ کسی پیغمبر نے اپنی بی بی کو طلاق نہیں دیا۔

بہ تعمق نظر اس کا سبب یہی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ رسول کی بی بی اُمت پر بہر حال حرام ہے اور وہ پھر کسی کی زوجیت میں آ نہیں سکتی؛ اس لیے ان کو طلاق دینا بھی روا نہیں رکھا گیا؛ کیونکہ ایسی صورت میں جبکہ وہ پھر کسی سے نکاح کر ہی نہیں سکتیں ان کو طلاق دینا ظلم میں داخل تھا۔

پس زید بن ارقم کی وہ دلیل جس پر اڈیٹر صاحب بہت کچھ ناز نخرہ کر رہے تھے باطل ہوگئی؛ کیونکہ عام عورتوں کی طرح زوجۂ رسول طلاق پا ہی نہیں سکتی، اور جب یہ مسلم ہے کہ وہ مطلقہ نہیں ہوسکتی اور اس کا رسول کا ساتھ ہمیشہ کے لیے ہے، وہ پیغمبر کے گھر سے باہر نہیں ہوسکتی تو اہل بیت رسول میں داخل ہوگئی، پس ازواجِ مطہرات کا اہل بیت رسول ہونا یقینی اور اُمت پر ان کا اِحترام واجب ہے۔

چوتھی دلیل شیعوں کی:

صحیح ترمذی کی وہ حدیث ہے کہ آیۂ تطہیر: **اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْکُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَکُمْ تَطْهِیْرًا**. حضرت اُم سلمہ کے گھر میں نازل ہوئی۔ پھر رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فاطمہ، حسن اور حسین کو بلا بھیجا پھر ان کو چادر سے ڈھانک لیا درانحالیکہ علی پیٹھ پیچھے تھے، پھر ان چاروں بزرگوں کو چادر میں چھپا کر فرمایا: 'اے میرے پروردگار! یہ میرے اہل بیت ہیں، پس ان سے گندگی کو دور کر دے اور ان کو پاک صاف بنا دے جیسا کہ پاک صاف بنانے کا حق ہے'۔ اُم سلمہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں۔ آپ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو۔

اب اڈیٹر صاحب فرماتے ہیں کہ 'اگر ازواجِ نبی داخل اہل بیت ہوتیں تو حضرت اُم سلمہ کیوں اِس کی آرزو کرتیں!۔

الجواب اوّلاً تو یہ حدیث باتفاق حفاظ ضعیف ہے اور اس کے ایک راوی پر رفض وتشیع کا شبہہ ہے جو چالاکی سے تقیہ کر کے سنیوں میں گھس آیا۔

ثانیاً: جبکہ قرآن سے ازواج کا اہل بیت ہونا ثابت ہے تو حدیث کو ہم حدیث رسول تسلیم نہ کریں گے؛ کیونکہ کتاب اللہ کی مخالفت لازم آتی ہے۔

ثالثاً: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے قرابت دار اور نسبی اہل بیت کو چادر میں چھپا کر دعا فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ اُم سلمہ رسول کی بی بی تھیں اور وہ نسبی اہل بیت میں شامل نہیں ہو سکتی تھیں، اولاد نسبی اہل بیت ہے اور بی بی اہل بیت سکنی ہیں۔

رابعاً: حضرت اُم سلمہ نے کچھ اہل بیت کے ساتھ ہونے کی تمنا نہیں کی تھی کہ میں بھی اہل بیت میں شامل ہو جاؤں؛ کیونکہ اہل بیت میں تو وہ شامل ہی تھیں بلکہ اس اَمر کی آرزومند ہوئیں کہ جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان چاروں بزرگوں کو چادر میں چھپا لیا ہے، مجھ کو بھی ان کے ساتھ چھپا لیتے، اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قبول نہیں فرمایا؛ کیونکہ وہ چاروں بزرگ آپ کے نسبی قرابت دار تھے اور نسبی قرابت داروں کے ساتھ ان کا ملانا آپ نے گوارا نہیں فرمایا۔

خامساً: اگر یہ بھی مان لیا جائے کہ اُم سلمہ نے اہل بیت میں ہونے کی آرزو کی تو یہ ثابت نہیں ہو سکتا کہ ان کا اہل بیت ہونا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پسند نہیں کیا

یا ان کے اہل بیت میں ہونے سے انکار فرمایا!۔

جب حضرت اُم سلمہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میں بھی ان کے ساتھ ہوں تو رسول اللہ نے فرمایا: تم اپنی جگہ پر ہو یعنی تم تو اہل بیت حقیقی ہو اور تمہارے اہل بیت ہونے پر تو قرآن خود ناطق ہے، تم اپنی جگہ پر بیٹھی رہو کہ تحصیل حاصل عبث کام ہے۔

اور واقعی جب قرآن نے خود ازواجِ مطہرات کو اہل بیت فرمایا اور پہلے سے یہ فضیلت ان کو حاصل تھی تو اب دوسرے اہل بیت کا ساتھ دینا کیا ضرور تھا!۔

ان کو تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے الگ کر کے اسی لیے دعا فرمائی کہ ان کو صراحت کے ساتھ اللہ نے اہل بیت میں ذکر نہیں کیا، نیز اس لیے تا کہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ بھی اہل بیت ہیں اور ازواج کے ساتھ یہ بھی وعدۂ تطہیر میں داخل ہیں۔

سادساً: یہ کہ فریقین کی کتب احادیث سے ثابت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت ہی حیادار تھے، آپ کی حیا نے قبول نہیں فرمایا کہ علی مرتضٰی وغیرہ کے ساتھ بی بی اُم سلمہ کو بھی اپنی چادر میں چھپا لیتے۔

قول فیصل

یہ جو کچھ ہم نے لکھا ہے حضراتِ شیعہ خصوصاً اڈیٹر صاحب 'اصلاح' کا قرار واقعی جواب تھا۔ اب ناظرین کو اپنے عقیدہ پر مطلع کرنا بھی ضروری ہے، پس واضح ہو کہ آیات وحدیث پر غور کی نظر ڈالنے کے بعد جو کچھ متحقق ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت مختلف حیثیتوں اور مختلف جہتوں سے مختلف لوگ ہیں۔

اوّل درجہ کے اور اصلی اہل بیت آپ کی بی بیاں اور بیٹیاں ہیں علٰی نبینا وعلیہنّ الصلوٰۃ والسلام.

دوسرے درجہ میں امام حسن اور امام حسین اور حضرت علی مرتضٰی ہیں رضوان اللہ تعالٰی علیہم اجمعین؛ کیونکہ دونوں صاحب زادے آپ کے نواسے ہیں، بیٹی کے بیٹے ہیں

اور علی چہیتے داماد ہیں اور آپ نے چاروں کو ردا ے مبارک میں لے کر اپنا اہل بیت فرمایا۔

یہ سچ ہے کہ داماد ہونے کی حیثیت سے حضرت عثمان کو بھی اہل بیت نبی میں داخل ہونا چاہیے تھا؛ مگر واقعیت یہ ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ منقطع ہوچکی تھی۔ حضرت عثمان کے صلب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی نواسہ بھی نہیں تھا جو یہ قرابت باقی رہتی اور اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود بھی آپ کو اپنے اہل بیت میں خاص کر کے داخل نہیں فرمایا۔

تیسرے درجہ میں حضرت عباس اور فرزند عباس ہیں رضی اللہ تعالیٰ عنہم؛ کیونکہ یہ لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے اعلیٰ ممبر ہیں۔ حضرت عباس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے باپ کا مثل فرمایا اور ماں باپ اہل بیت میں داخل ہیں۔ اس کے علاوہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عباس اور آپ کے بیٹوں کو خاص طور پر اپنے کمل میں چھپا کر اپنا اہل بیت فرمایا اور دعا کی۔

چوتھے درجہ میں اُسامہ بن زید ہیں؛ اس لیے کہ زید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلمکے منہ بولے بیٹے تھے، اُسامہ انھیں زید کے فرزند تھے۔ اُسامہ کو آپ حد سے زیادہ چاہتے بھی تھے، یہاں تک کہ ان کو اپنے اہل بیت میں سے قرار دیا......۔

پانچویں درجہ میں باقی کل وہ بنی ہاشم ہیں جن پر صدقہ حرام ہے۔ اور یہ مذہب زید بن ارقم کا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اہل بیت کل بنی ہاشم ہیں؛ لیکن زید بن اَرقم اس پر حصر نہیں کرتے بلکہ اَزواج کو ان کے علاوہ اہل بیت کہتے ہیں۔

چھٹویں درجہ میں آپ کی اُمت کے تمام پرہیز گار لوگ ہیں یعنی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی راہ چلے وہ آپ کی آل و اہل بیت میں سے ہے۔ فقط.

المفتقر إلیٰ خالق الکونین

علي حسين چریا کوٹی –عفی عنہ اللہ القوی–

۲۲ر محرم الحرام، یکشنبہ ۱۳۲۴ھ

مرتب کتاب محمد اَفروز قادری چریاکوٹی کی چند مطبوعہ کتب

حرف حرف دھڑکتا ہوا، لفظ لفظ بولتا ہوا، بات بات من میں اُترتی ہوئی

نوجوانوں کی حکایات اِنسائیکلوپیڈیا	1008	Pages	Rs. 450.00
بستان العارفین (اُردو)	512	Pages	Rs. 300.00
کچھ ہاتھ نہیں آتا بے آہِ سحر گاہی!	360	Pages	Rs. 180.00
آئینۂ مضامین قرآن	352	Pages	Rs. 200.00
ایسے تھے مرے اسلاف!	256	Pages	Rs. 110.00
طوافِ خانۂ کعبہ کے واقعات	184	Pages	Rs. 100.00
مرنے کے بعد کیا بیتی؟	264	Pages	Rs. 100.00
'وقت' ہزار نعمت	184	Pages	Rs. 100.00
بولوں سے حکمت پھوٹے	184	Pages	Rs. 100.00
برکات الترتیل	216	Pages	Rs. 100.00
آئیں دیدارِ مصطفیٰ کرلیں	184	Pages	Rs. 100.00
علامہ فاروق عباسی چریاکوٹی اور....	144	Pages	Rs. 100.00
کاش! نوجوانوں کو معلوم ہوتا!	048	Pages	Rs. 30.00
فرشتے جن کے زائر ہیں!	088	Pages	Rs. 40.00
عقائدِ علماے چریاکوٹ	064	Pages	Rs. 40.00
باتیں جو زندگی بدل دیں	064	Pages	Rs. 40.00
تاجدارِ کائنات ﷺ کی نصیحتیں...	120	Pages	Rs. 80.00
کلامِ الٰہی کی اثر آفرینی	144	Pages	Rs. 60.00
پیارے بیٹے!	036	Pages	Rs. 25.00
اے میرے عزیز!	032	Pages	Rs. 10.00
اپنے لختِ جگر کے لیے!	040	Pages	Rs. 30.00
موت کیا ہے؟	088	Pages	Rs. 40.00
اور مشکل آسان ہوگئی	096	Pages	Rs. 50.00

قرآنی علاج	Pages 096	Rs. 70.00
مذاق کا اِسلامی تصور	Pages 072	Rs. 40.00
یارسول اللہ ﷺ! آپ سے محبت کیوں؟	Pages 076	Rs. 40.00
مصطفیٰ جانِ رحمت ﷺ پر الزام خودکشی!	Pages 072	Rs. 40.00
اربعین مالک بن دینار	Pages 040	Rs. 20.00
چار بڑے اقطاب	Pages 060	Rs. 25.00
چالیس حدیثیں بچوں کے لیے (اُردو)	Pages 096	Rs. 50.00
چالیس حدیثیں بچوں کے لیے (ہندی)	Pages 096	Rs. 50.00
جامع الازہر کا ایک تاریخی فتویٰ	Pages 036	Rs. 20.00
دولت بے زوال (اُردو)	Pages 132	Rs. 50.00
دولت بے زوال (ہندی)	Pages 156	Rs. 70.00
چند لمحے اُم المومنین کی آغوش میں	Pages 104	Rs. 40.00
بزم گاہِ آرزو (دیوان راہی چریاکوٹی)	Pages 160	Rs. 50.00
انوارِ ساطعہ (تسہیل وتحقیق)	Pages 688	Rs. 200.00
برکات الاولیاء (تسہیل وتقدیم)	Pages 384	Rs. 250.00
تذکرالانساب (تسہیل وتقدیم)	Pages 288	Rs. 200.00
رسائل حسن (جمع وترتیب)	Pages 624	Rs. 240.00
کلیاتِ حسن (جمع وترتیب)	Pages 624	Rs. 240.00
رسائل محدثِ قصوری اوّل (جمع وترتیب)	Pages 736	Rs. 400.00
رسائل محدثِ قصوری دوم (جمع وترتیب)	Pages 690	Rs. 350.00
تحفہ رفاعیہ (تسہیل وتخریج)	Pages 096	Rs. 40.00
ترجمانِ اہل سنت	Pages 116	Rs. 45.00
'میلادنامہ' (ترتیب وتقدیم)	Pages 080	Rs. 35.00
حیاتِ اشرف گلشن آبادی (ترتیب وتقدیم)	Pages 080	Rs. 35.00
راندیر میں فتح عجیب (ترتیب وتقدیم)	Pages 096	Rs. 40.00

پتہ: کمال بک ڈپو، مدرسہ شمس العلوم، گھوسی، مئو Ph: 09935465182

POST-MORTEM OF SHI'A BELIEVE

زیر نظر کتاب اپنے موضوع پر ایک شاہکار علمی کارنامہ ہے۔ یہ کتاب دراصل مولوی مقبول احمد جدید شیعی نزیل اعظم گڑھ کے افکار وخیالات کی تردید میں منصۂ شہود پر آئی۔ مولانا محمد عبد السمیع بنارسی حنفی معروف بہ حافظ گھسیانے بھی 'السیف المسلول' کے نام سے مقبول شیعی کے خرافات کا مسعود و مدلل علمی محاسبہ کیا ہے، مگر چونکہ یہ شخص بڑا ہی معقولی تھا، نقل سے زیادہ عقل کا استعمال کرتا اور اپنے عقلی گھوڑوں کو دوڑا کر لوگوں پر بآسانی شیعہ رنگ چڑھا دیتا تھا۔ چنانچہ اس کے لیے مولانا علی حسین چریاکوٹی میدان میں آئے اور عقلی ونقلی دلائل وشواہد سے احقاق حق کا فریضہ انجام دیا، ساتھ ہی مذہب اہل سنت کی تائید وتوثیق اور شیعیت کی تردید وتخجیل میں وہ الزامی اور منہ توڑ جواب تحریر کیے ہیں کہ ان شاء اللہ صبح قیامت تک دنیاے اہل تشیع اس کا جواب واقعی دینے سے قاصر رہے گی۔

اہل خبر کو پتا ہے کہ شیعہ ان دنوں بہت تیزی سے پھیل رہے ہیں، نتیجے میں شیعیت دبی چالوں سنی گھرانوں میں بھی گھستی آتی ہے؛ اور بہت سے شیعیت والے کام شعوری یا لاشعوری طور پر ہم بھی کرتے جا رہے ہیں اور ایک ذرا رک کر سوچنے کی زحمت گوارا نہیں کرتے کہ ایسے لغو وعبث کاموں کا اہل سنت وجماعت کے معمولات سے کیا تعلق ہے؟ مگر عوام بس لکیر کے فقیر بنے ہوئے ہیں؛ اس لیے ایسے سنگین حالات میں شیعیت کا پردہ چاک کرنا، ان کے افکار ومعتقدات کو طشت از بام کرنا اور عوام اہل سنت کو چاہِ جہالت سے باہر نکالنا علماے اہل سنت کا منصبی واخلاقی فریضہ ہے؛ تاکہ امت کے سادہ لوح لوگوں کا عقیدہ خراب وفاسد ہونے سے بچایا جا سکے۔

مولانا محمد افروز قادری چریاکوٹی

KHWAJA BOOK DEPOT
419/2, Matia Mahal, Jama Masji
Delhi-6, Mobile +91-9313086318
E-mail: khwajabdi@gmail.com

KAMAL BOOK DEPOT
Madrsa Shamsul Uloom, Ghosi
Distt. Mau (U.P.)
Call: 9935465182, 9935082776